

تفسیر

آیتِ کریمہ

www.KitaboSunnat.com

تالیف

شیخ الاسلام الامام ابن تیمیہ

تقریم و تنسیخ

محمود احمد غزنوی

مکتبہ ابن تیمیہ

لاہور پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل

اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

تفسیر

الترغیب والترہیب

تالیف
شیخ الاسلام الامام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

تقریم و تصحیح
محمود احمد عصفری

www.KitaboSunnat.com

مکتبہ ابن تیمیہ

لاہور پاکستان

نام کتاب : تفسیر آیات کریمہ
مؤلف : شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ
مترجم : مولانا عبد الرحیم حفظہ اللہ
تقدیم : محمود احمد غضنفر
سرورق و عنوانات : عبد الرشید قص
ناشر : مکتبہ ابن تیمیہ
مطبع : شرکت پرنٹنگ پریس لاہور
مفت میلے کا پتہ

مکتب الدعوة الاسلامیہ
۵۱ - البوب کربلاک نیو کارڈن سٹاؤنٹ
لاہور : پاکستان

ماہنامہ رمضان ۱۴۳۱ھ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
پہلا باب			
دعائے یونس علیہ السلام کی معنوی مناسبت			
۳۲	مقام فنا اور دجھائے محویت	۲۲	دعا بمعنی عبادت اور سوال
۳۴	آیت کریمہ کی خاصیت	۲۴	دعا اور صلوات کا تسمیہ
۳۵	سوال کی مختلف صورتیں	۲۶	سائل اور داعی
۳۷	حضرت سفیان سے سوال و جواب	۲۸	عبادت کا نصب العین
۳۹	پیرایہ حسن ادب	۲۹	دوزخ اور جنت
۳۹	جامع ترین دعا	۳۰	دیدار خداوندی اور علماء کرام
۴۰	قرآنی دعاؤں کا خاصہ	۳۱	عزیمت کا اظہار
دوسرا باب			
درجہ پذیرائی دعائے یونس علیہ السلام			
۴۵	”لا الہ الا انت“ کا مفہوم	۴۲	دعا کا مخصوص انداز
۴۴	لفظ ”سجناک“ کا مفہوم	۴۲	رفیع تکلیف کا حقیقی ذریعہ
۴۷	صد و ظلم کا عدم امکان	۴۲	عظمت الہی کا اعتراف
۴۸	دعائے یونس کی فضیلت	۴۳	استفتاح نماز کی دعا
۴۹	محامد ذات کی محبوبیت	۴۴	سید الاستغفار کی فضیلت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۲	بدست طرازی بدرجہ غایت	۴۹	امام رازنی کا نظریہ
۵۲	اظہارِ حال و اعترافِ قصور	۵۰	عظمت و کبرمائی کا اظہار
۵۳	ایک دلچسپ توجیہ	۵۲	اسمائے حسنہ اور کلمات چہارگانہ
<div style="border: 1px solid black; padding: 5px; display: inline-block;"> تیسرا باب </div> خاصیت و حکمت سے دعائے یونس علیہ السلام			
۴۷	اخلاص اور علوشان الوہیت	۵۴	سبب اور ازالہ مصیبت
۴۷	پابندی احکام و اطاعت	۵۵	ہر تنگی اور اندیشے سے نجات
۴۷	ہوائے نفس کو معبود محترم مانا	۵۶	خیر و برکت کا سرچشمہ
۴۸	اخلاص حضرت ابراہیم خلیل اللہ	۵۶	حضرت علیؑ کا قول
۴۸	مخلصین اور شیطان تسلط	۵۶	امید و بیم کا لطبا و ماؤسے
۷۰	اخلاص کلمہ توحید	۵۷	موجب اثرات اسباب
۷۰	دخول جنت از قول "لا الہ الا اللہ"	۵۹	کامرانی کی حقیقی شاہراہ
۷۰	تسجدِ اخلاص کا پروگرام	۵۹	توکل علی اللہ اور شرک
۷۰	ہلاکت آفرینی شیطان	۵۹	مخلوق پر بھروسہ
۷۱	خواہشِ نفس کی پیروی	۶۱	مشرک مرعوب اور مومن مامون
۷۲	توحید اور استغفار کی مناسبت	۶۲	جنگِ بدر اور اسبابِ فتحِ مدنی
۷۴	مجلس کے خاتمہ کی دعاء	۶۴	صبر اور توکل کا موازنہ
۷۴	ادعیہ آخر و صنو اور نماز	۶۴	ابوسعید خدریؓ کی روایت -
۷۶	تمام ادیان کا پنچوڑ	۶۵	امام احمد بن حنبل کا توکل
۷۶	توحید ربوبیت اور توحید الوہیت	۶۶	ارشاد نبویؐ بروقت تکلیف

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۱	روایت عدی بن حاتم	۷۹	الحب للہ والحب مع اللہ کافرق
۸۱	تعظیم شایخ میں غلو	۷۹	ترکِ محظورات اور سجا آوری ماموریت
<div style="border: 1px solid black; padding: 5px; display: inline-block;"> <p>چوتھا باب ﴿ اطاعتِ الہی اور اطاعتِ رسول</p> </div>			
۹۷	نقص یقین ابی طالب	۸۳	رسولوں کی بعثت کا مقصد
۹۸	ضرورت ایمان اور توحید	۸۴	مامور من اللہ اور اولی الامر
۱۰۰	توکل اور عبادت کا مفہوم	۸۴	دین کا مخلص
۱۰۱	معانی عموم و خصوص	۸۵	غلو فی التوحید
۱۰۲	مفہوم محبت، توکل اور خوف	۸۶	پیری مریدی کا جوش جنون
۱۰۵	نام نہاد صوفیہ کو نصیحت	۸۷	ایمان اور اسلام کا مفہوم
۱۰۶	اصلاح حال کی راہ	۸۹	ہر مسلم مومن نہیں
۱۰۷	سالکان راہ کی کوتاہیاں	۸۹	حقیقت ایمان، اسلام اور احسان
۱۰۷	امراضِ ریا و عجب کا علاج	۹۱	منقاد و مطیع کی تشریح
۱۰۸	بھوٹے پیروں کا فرقہ	۹۱	سواس داد و پاک سے بالاتر امور
۱۰۹	عقیدہ اہل توحید	۹۳	مومن اور کافر کی شناخت
۱۱۰	بندہ پیغمبر اور بادشاہ پیغمبر	۹۴	انکارِ شیطانی کی نوعیت
۱۱۱	فقہار کی غلط توجہیں	۹۴	فرعون کا انکار
۱۱۳	آنحضرتؐ کا اجتہاد اور حکم صریح	۹۵	علم اور عمل کی ناموافقیت
۱۱۵	صوابیہ پر رسولؐ اور حکم الہی	۹۶	تصدیقِ قلبی اور عملِ قلب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
دعائے یونس اور توحید الوہیت		پانچواں باب	
۱۲۳	ایمان اور عاشقانِ رسول	۱۲۰	دوحیہ مخاطبِ الہی
۱۲۵	محبتِ الہی کا جذبہ	۱۲۰	اقرارِ گناہ کی تقدیم و تاخیر
-----	-----	۱۲۲	خدا کا سچا بندہ اور حقیقی مومن
عصمتِ انبیاء علیہم السلام		چھٹا باب	
۱۲۲	حضرت امام احمد بن حنبل کا قول	۱۲۹	انبیاء علیہم السلام اور حفاظتِ الہی
۱۲۳	قصہ اور ترکِ یوسفؑ	۱۳۰	اختلافِ علماء اور القائلے شیطانی
۱۲۳	ایک غلط روایت	۱۳۱	اہل حدیث کا عقیدہ
۱۲۴	مفسرین کی غلطی	۱۳۲	صدائتِ نبوت کی مستحکم دلیل
۱۲۲	حضرت یوسف علیہ السلام	۱۳۲	حضرت عائشہؓ کا قول
۱۲۲	صمت بہ و صمد بجا	۱۳۳	سچے اور جھوٹے کی پہچان
۱۲۸	ملائکہ کو انبیاء پر فضیلت	۱۳۴	انبیاء اور تبلیغ رسالت کے علاوہ کام
۱۲۸	غلط فہمی کی وجہ	۱۳۴	منافی کمال اور فضیلتِ توبہ
۱۲۸	فضیلتِ کمال باعتبارِ مال	۱۳۴	مرضِ خود بینی کی سزا
۱۲۹	ابن تیمیہؒ کا قول	۱۳۵	اشحرافِ مسلمہ اصول اور فقدانِ ایمان
۱۳۷	بیانِ فضیلت و کمال	۱۳۷	انبیاء علیہم السلام کا تصور اور رد و رد
۱۳۷	رجوع الی اللہ کا نتیجہ	}	از کار تا ویلیں
۱۵۱	بنیادِ فضل و کمال		۱۳۸
-----	-----	۱۳۹	تصورِ انبیاء اور توبہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
ذریعہ محبوبیت خداوندی		سائوال باب	
۱۷۴	مفسرین کی غلط تاویلین	۱۵۴	ذریعہ محبوبیت خداوندی
۱۷۴	فرقہ جمہید اور باطنیہ کی توجیہ	۱۵۵	افصلیت اعمال
۱۷۴	غلط توجیہ کی ایک مثال	۱۵۹	دوستی اور دشمنی کا اصول
۱۷۴	وجوہاتِ سبوح	۱۶۱	معیار محبوب اللہ
۱۸۰	مقبولیتِ توبہ اور اعترافِ گناہ	۱۶۲	اہل تشیع کے عقیدہ کی تردید
۱۸۰	مومن موحّد کی مغفرت	۱۶۲	قبل از نبوت معصومی انبیاء
۱۸۰	نا قابلِ بخشش گناہ	۱۶۳	تاخیر و توقف قابلِ پاداش
۱۸۱	مشک و موحّد	۱۶۳	بطلان عقیدہ باطلہ
۱۸۲	معافی لفظ مغفرت	۱۶۶	بلا استثناء فرضیت توبہ
۱۸۲	تائب اور تارک میں فرق	۱۶۶	حصولِ کمال کا ذریعہ
۱۸۴	مغفرت کا یقینی ذریعہ	۱۶۷	موردِ عنایت الہی
۱۸۶	گناہوں کا استحضار اور مقبولیتِ توبہ	۱۶۹	استغفار کی وجوہیں
۱۸۶	توبہ	۱۶۹	سو سو بار توبہ
۱۸۶	ترک اور ارتکابِ گناہ	۱۷۰	تجسیمِ تحریر اور قرارت کی درمیانی
۱۸۶	پہلا اصول		دعا
۱۸۷	ابو ہاشم کی دلیل کا جواب	۱۷۱	آغازِ نماز کی دعا
۱۸۷	معتزلہ اور اہل کبار	۱۷۱	سجدے کی دعا
۱۸۸	سلف کا اعتقاد	۱۷۱	سواری کی دعائے یقین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۹۴	اللہ اور رسول کی محبت	۱۸۸	قبولیتِ اعمال اور التقار
۱۹۵	عقوبت ٹل جانے کے اسباب	۱۸۹	منقولیت کے لیے ایمان ناگزیر ہے
۱۹۶	تعلق باللہ توڑنے کا رشتہ	۱۹۰	بخشش بوجہ قبولِ اسلام
۱۹۶	مفہوم توحید ربوبیت	۱۹۱	ترکِ ارتکاب پر جزا
۱۹۶	افعالِ اختیار میں عجزِ انسانی	۱۹۱	اعمالِ جاہلیت کا مواخذہ
۱۹۷	سب سے بڑی ذلت	۱۹۲	توبہ مطلق اور توبہ عام خاص
۱۹۸	عرفانِ الوہیت	۱۹۳	کونسا گناہ عام توبہ سے نہیں
۲۰۱	نزولِ مصائبِ نعمتِ عظمیٰ		بخشا جاتا
۲۰۱	ہجومِ مشکلات اور حلالہٗ مناجات	۱۹۳	عام توبہ اور محل توبہ
۲۰۲	خاتمۃ الکتاب	۱۹۳	صفتِ حقائقِ ایمانیہ



شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ حنفی رحمہ اللہ

شجرہ نسب | تقی الدین ابوالعباس احمد بن شہاب الدین ابوالجاس عبدالحلیم بن محمد الدین ابوالبرکات عبدالسلام بن ابو محمد عبداللہ بن ابوالقاسم الحنفی بن علی بن عبداللہ یہ خاندان، خاندان ابن تیمیہ کے نام سے مشہور ہے۔

وجہ تسمیہ | امام صاحب علیہ الرحمۃ کی دادی بہت بڑی واعظہ تھی، ان کا نام تیمیہ تھا، اسی مناسبت سے اس خاندان کا نام "خاندان ابن تیمیہ" پڑ گیا۔

ولادت | امام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ کی ولادت ۱۰ ربیع الاول ۷۲۸ھ کو حران نامی بستی میں ہوئی۔

ابتدائی حالات | چھ سال کی عمر تک امام صاحب اسی بستی میں مقیم رہے، ابھی عمر کے ساتویں سال میں تھے کہ تاتاریوں نے اس بستی پر غارتگری کی۔ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آکر یہاں کے باشندوں نے سکونت ترک کر کے ادھر ادھر پناہ لینا شروع کی۔ خاندان ابن تیمیہ کے کچھ لوگ ہجرت کر کے دمشق کی طرف بڑھے۔ لیکن راستہ انتہائی پرخطر تھا۔ نہ امن بے سیر تھا نہ سکون۔ اس ذہنی پریشانی کے ساتھ ساتھ راستہ کی دشوار گزار رہی اور زیادہ تکلیف کا باعث تھی، رات کی تاریکیوں میں سفر جاری رکھنے والے یہ لوگ ایک خانوادہ علم کے افراد تھے۔ ہر آن یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں دشمن سر پر نہ پہنچ جائے، لیکن اللہ نے دستگیری فرمائی اور قافلہ ظالموں اور سفاکوں سے بچتا بچتا منزل مقصود تک پہنچ ہی گیا۔

تعلیم و تربیت | چونکہ امام تقی الدین ابن تیمیہ کا خاندان علم میں ایک ممتاز مقام رکھتا

تھا۔ اس علمی گوارہ میں آپ نے اکٹھا کھولی بے چین ہی سے علم کی طرف راغب ہو گئے چھوٹی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا، شوقِ تلاوت کا یہ عالم تھا کہ جیل کی زندگی میں ۸۰ سے زیادہ قرآن مجید ختم کیے۔ قرآن مجید ختم کر لینے کے بعد حدیث اور لغت کی طرف متوجہ ہوئے، احکام فقہ کی معرفت حاصل کی۔ اور ان کا بڑا حصہ ازبر کر لیا۔

امام صاحب کے والد شیخ الحدیث کے مقام پر فائز تھے، چنانچہ امام صاحب نے صحیح بخاری، مسلم، مسند امام احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارقطنی کی بار بار سماعت کی، حدیث میں سب سے پہلے کتاب جو امام صاحب نے حفظ کی وہ امام حمید ہی کی کتاب الجمع بین الصحیحین ہے۔ امام صاحب کے بعض معاصرین کا بیان ہے کہ آپ نے جن شیوخ سے سماعت کی، ان کی تعداد ۲۰۰ سے متجاوز ہے، حدیث کے ساتھ ساتھ دوسرے علوم و فنون کے حصول پر بھی توجہ مبذول فرمائی۔ چنانچہ علوم ریاضی میں خاصی دسترس حاصل کی۔ علوم عربیہ کی طرف خاص طور پر زیادہ توجہ کی۔ یہ علوم تو اس طرح حاصل کیے جیسے ہی ان کا نشا اور مقصد تھا۔ چنانچہ عربی زبان کا بہت سا کلام نظم اور نثر زبانی حفظ کر لیا، جنگ و پیکار کی تاریخ پر عبور حاصل کیا۔ مسلمانوں کے عہد زریں کے حالات و کوائف کا خوب اچھی طرح مطالعہ کیا، عروج و زوال کی دلدستانیں پڑھیں اور ان کے اسباب و علل کو گہری نظر سے دیکھا، فنِ نحو میں خصوصی دسترس حاصل کی، کتاب سیبویہ آپ کو زبانی یاد تھی، ان علوم و فنون کے ساتھ فقہ حنبلی کا درس بھی جاری تھا، ایک طرف تو یہ کیفیت تھی کہ امام صاحب علوم و فنون میں غیر معمولی طور پر مصروف و منہمک تھے، اور دوسری طرف یہ عالم تھا کہ دل و جان سے تفسیر قرآن کے اسرار و رموز کی گہرائی میں لگے ہوئے تھے قرآن نہیں کے لیے تمام متعلقہ علوم و کتب کھنگال ڈالیں۔ ایک ایک حرف کا پوری توجہ سے مطالعہ کیا۔

امام صاحب کی ہجرت اور جامعیت | مختصر یہ کہ امام ابن تیمیہ نے اپنے ذہن و دماغ کی تربیت بہت عمدہ طور پر کی، انہوں نے وہ تمام علوم حاصل کیے جو ان کے زمانے میں رائج تھے، علم کا کوئی ایسا مرکز نہ تھا جس کے دروازے پر دستک نہ دی ہو۔ امام صاحب کے ایک ہم عصر علامہ کمال زملکانی نے ان کے بارے میں کیا خوب کہا ہے۔

”اللہ تعالیٰ نے امام ابن تیمیہ کے لئے علوم کو اس طرح کر دیا تھا، جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا، جب کسی علم و فن کے بارے میں ان سے سوال کیا جاتا تو دیکھنے سننے والوں کو ان کی رائے سن کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس فن کے سوا امام صاحب کچھ اور نہیں جانتے اور یہ کس فن میں امام صاحب کا کوئی حریف متقابل نہیں۔ ہر کتاب خیال کے فقہاء کرام جب آپ کے دربارِ علم میں حاضر ہوتے تھے تو خود اپنے مسلک کے بارے میں ان کے ہاں ایسی باتیں حاصل کرتے تھے، جن سے اب تک وہ خود ناواقف تھے اور یہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی شخص سے وہ مناظرہ کریں اور لاجواب ہو کر رہ جائیں۔ وہ ہر علم پر ماہر اندکھلو کرتے تھے خواہ وہ شرح و دین سے تعلق رکھتا ہو یا دنیاوی فنون سے متعلق ہو، جس علم پر بھی گفتگو کرتے تھے، معلومات سے اس علم کے ماہروں کو جھونچا کر دیتے تھے“

کیا امام ابن تیمیہ عرب تھے؟ | مورخین نے کسی ایسے قبیلے کا ذکر نہیں کیا، جسے خاندان ابن تیمیہ کی جڑ قرار دیا جاسکے، وہ حران شہر کے رہنے والے تھے، اسی نسبت سے امام صاحب حرانی کہلائے، مورخین نے قبائل عرب میں سے کسی قبیلہ کی طرف امام صاحب کو منسوب نہیں کیا، اس سے ثابت ہوا کہ امام موصوف عربی نہیں

تھے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ وہ کُردی تھے۔ کہہ دو قوم بڑی بہادر، باحوصلہ اور عالی ہمت قوم ہے۔ اس قوم کے کردار و سیرت میں قوت کا رنگ بھی جھلکتا ہے اور آتشِ خوبی کا بھی اور یہ تمام صفات امام صاحب میں واضح اور نمایاں طور پر موجود تھیں اگرچہ ان کی نشوونما ایسے لوگوں میں ہوئی تھی جو علم و فضل، دانش و بینش، تحقیق و تدقیق اور غور و فکر کے مرد میدان تھے۔

محرابِ علم سے میدانِ جہاد کی طرف | امام ابن تیمیہ سکون سے اپنے فرائض کی سجا آوری میں مصروف تھے، وہ مدرسہ میں درس دیتے اور تحقیق و تدقیق کے جوہر دکھاتے، مسجد میں وعظ و ارشاد کی محفلیں برپا کر کے سننے والوں کے تلوپ میں سوز و گداز کی کیفیت پیدا کرتے۔ وعظ و ارشاد کی مجلس میں ان کا بیان آپ کو ترکی طرح پاک اور صاف ہوتا۔ لوگوں کے سامنے وہی دین پیش کرتے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ لیکن اس درس و تدریس کے ساتھ ساتھ جذبہٴ جہاد اسی طرح قائم رہا۔ حق و صداقت کے لیے سینہ سپر رہتے۔ جو بات خلاف حق نظر آتی اس کے خلاف ڈٹ جاتے، حکام و عمال کے پاس پہنچتے اور فریضہٴ تبلیغِ حق سے عہدہ برآ ہوتے۔ امام موصوف علیہ الرحمۃ بیک وقت صاحبِ علم و علم اور صاحبِ سیف و سبقت تھے۔

عشقِ رسول کی چنگاری | اس وقت میں باوثوق ذرائع سے امام صاحب تک یہ خبر پہنچی کہ ایک نصرانی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہے پھر وہ رائے عامہ کے اشتعال سے خوف زدہ ہو کر ایک بدوی کے گھر پناہ گزیں ہو گیا ہے۔ اس نے عوام کے جوشِ غضب سے اس کی حفاظت کی۔ امام صاحب کے لیے یہ بات ناقابل برداشت تھی۔ جس پر سکوت کسی طرح بھی اختیار نہ کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ وہ دمشق کے نائب السلطنت کے پاس پہنچے اور اس سے باجرا بیان کیا۔ اس نے نصرانی کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ وہ حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ وہ بدوی بھی تھا جس نے اسے

پناہ دے رکھی تھی، بدوی نے مظاہرہ کرنے والوں کے خلاف دشنام طرازی شروع کر دی۔ لوگ مشتعل تو تھے ہی، انہوں نے نصرانی بدوی اور اس کے ساتھیوں پر سنگباری شروع کر دی۔ حاکم دمشق نے امام صاحب سے، اس الزام میں کہ انہوں نے لوگوں کو نصرانی کے خلاف بھڑکا کر امن عامہ کو درہم برہم کیا تھا، تشدد کا برتاؤ کیا اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ درس و تدریس کی پابندیوں نے بھی اس مرد جلیل کو دین و مذہب کے مسائل عامہ سے مستغنی اور بے پرواہ نہیں کر رکھا تھا، وہ دین کی حمایت و نصرت کے لیے کسی سے بھی ٹکڑے لینے سے بھجک محسوس نہیں کرتے تھے، وہ درس کے حلقے اٹھ کر میدان میں آئے اور دشنام رسول کے مجرموں کے خلاف عوام کی رہنمائی کرتے اور اس سلسلہ میں جو تکلیف، پریشانی یا مصیبت آتی اس کا مردانہ وار مقابلہ کرتے۔

تصنیفات | شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی عمر سترہ سال کی تھی جب انہوں نے قلم سنبھالا۔ پینتالیس سال کی عمر تک یہ قلم پورے زور سے رواں دواں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے عیض معولی حافظہ، میجر العقول ذکاوت اور ندرت افزا فہم سے نوازا تھا، سرسخت قلم کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات ایک ہی دن میں علمی اور تحقیقی رسالہ مرتب کر دیتے، لوگ مشکل مسئلے لے کر آجاتے اور امام موصوف جواب میں کئی کئی صفحات لکھ دیتے، ان حالات میں کیسے صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زندگی میں آپ نے کیا کچھ لکھا اور اگر آپ کی تمام کتب کو مرتب کیا جائے تو کتنے ہزار صفحات بن جائیں، یہی اور اس قسم کی دوسری ممتاز خصوصیات تھیں جن کی بناء پر آپ اپنے عہد میں مرجع عالم شخصیت قرار پائے تھے اور اگرچہ وفات پر نویں صدی گزر رہی ہے تاہم آپ کی ہر تحریر کو آج بھی جو بلند مقام حاصل ہے اس کی مثال نہ پہلے ملتی ہے اور نہ اب۔ حافظ ذہبی علیہ الرحمۃ نے امام موصوف کی زندگی ہی میں ایک مرتبہ تحریر فرمایا کہ آپ کی تصانیف

کی تعداد پانچ سو تک جا پہنچی ہو تو لعینہ نہیں، اس کے بعد غالباً بعد از وفات لکھا کہ۔
” ہزار سے اوپر تعداد ہو گئی ہے۔“

تصنیفات کے نام اگر دیکھنا مقصود ہوں تو حیاتِ شیخ الاسلام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ شائع کردہ مکتبہ سلفیہ لاہور کی طرف مراجعت فرمائیں۔ بلاشبہ امام صاحب کی زندگی پر یہ ایک بسوٹ کتاب ہے۔ میں نے بھی اسی کی خوشہ چینی کر کے امام صاحب کی زندگی کی چند جھلکیاں قارئین کی خدمت میں پیش کی ہیں۔

ملا مذہب امام ابن تیمیہ کے فوجد میں ہمیں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو شاگردوں کی زیادتی میں شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کا ہم پایہ ہو۔ مصر و شام میں اور پھر مصر کے اندر اسکندریہ اور قاہرہ کے مابین ان کے شاگردوں کی تعداد حد شمار سے خارج تھی، لیکن مخصوص شاگرد جنہوں نے صحیح معنوں میں آپ کی جانشینی کے فرائض سرانجام دیے، ان کے نام درج ذیل ہیں۔

بزرگوار	نام	ولادت	وفات
۱	حافظ ابن قیم الجوزی علیہ الرحمۃ	۶۹۱ھ	۷۵۱ھ
۲	حافظ ابن السادی علیہ الرحمۃ	۷۰۵ھ	۷۶۲ھ
۳	حافظ ابن کثیر علیہ الرحمۃ	۷۰۱ھ	۷۶۲ھ
۴	حافظ علامہ ذہبی علیہ الرحمۃ	۷۴۳ھ	۸۲۱ھ
۵	محمد بن مفلح علیہ الرحمۃ	-----	۷۶۳ھ
۶	ابن قاضی الجبل علیہ الرحمۃ	-----	۷۶۱ھ
۷	ابو حفص ابزار علیہ الرحمۃ	-----	۷۶۹ھ
۸	ابن سعد اللہ حرانی علیہ الرحمۃ	-----	۷۶۹ھ
۹	ابن الوردی علیہ الرحمۃ	-----	۷۶۹ھ
۱۰	الدباہی الزاہد علیہ الرحمۃ	-----	۷۱۱ھ
۱۱	قاضی ابن فضل اللہ علیہ الرحمۃ	-----	۷۶۹ھ

یہ وہ کبار شاگرد ہیں جنہوں نے امام ابن تیمیہ سے فیض علم حاصل کیا اور صحیح معنوں میں آپ کے جانشین بنے۔

سفرِ آخرت | ہنگامہ خیز زندگی گزارتے ہوئے بالآخر وہ وقت آ ہی گیا، جو ہر فی روح کی انتہا کہلاتا ہے، اللہ سبحانہ نے امام صاحب کی روح کو اپنے حضور طلب کر کے اپنی خوشنودی اور رضا کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔

۲۰ ذوالقعدہ ۷۲۹ھ / ۳۲۶ھ کو امام صاحب اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ امام صاحب کے بھائی زین الدین عبدالرحیم کا کہنا ہے کہ پانچ ماہ کی مدت میں ہم دونوں نے انہی قرآن مجید بطورِ ذور ختم کیے، تین پارے روزانہ کا معمول تھا۔ ۸۱ دین مرتبہ شروع کر کے سورۃ الفکر کی آیت **إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ نَّازِلٍ فِيهَا مَاءٌ غَدِيقٌ** سے شروع کر رہے تھے کہ روحِ نفیسِ محضری سے پرواز کر کے خالقِ حقیقی سے جا ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کم و بیش بیس دن بیمار رہے۔ لیکن جیل سے باہر عام طور پر بیماری کی اطلاع نہیں ہوئی۔ سوموار کی رات ۲۰ ذیقعدہ کو سواری کے وقت انتقال ہوا، خبرِ وفات کا اعلان قلعہ (جس میں آپ مجبوس تھے) کے مینار سے علی الصبح کر دیا گیا۔ اس ناگہانی خبر سے کھرام پھج گیا۔ سارے شہر میں صعب نام پچھ گئی، بازار بند ہو گئے، دوکانوں پر کھانا تک اس دن نہیں پکا۔ زیارت کرنے والے لوگوں کا ہجوم قلعہ کے پاس ہو گیا، قلعے کا دروازہ کھول کر داخلے کی عام اجازت دیدی گئی، علماء، وزراء، اُمراء، عوام، اقارب سب امام صاحب کے پاس آتے تھے اور زرار و قطار روتے تھے، زیارت کے لیے پہلے مرد آئے پھر عورتیں آئیں، غسل کے وقت سب لوگ پہلے گئے۔ صرف غسل دینے والی علماء و اعیان کی ایک جماعت رہ گئی، جن میں مشہور اور جلیل القدر محدث اور آپ کے خاص معتقد ابوالحجاج بھی تھے۔

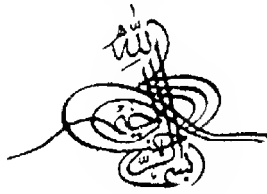
غسل کے بعد جنازہ اٹھایا گیا، ہجوم بہت زیادہ ہو گیا۔ قلعہ میں پہلی نماز جنازہ شیخ محمد بن تمام نے پڑھائی۔ اس کے بعد جنازہ جامع اموی میں لایا گیا۔ نماز ظہر کے بعد جنازہ کی نماز پڑھی گئی جس کی امامت نائب الخطابہ شیخ علاؤ الدین بن المحرط نے کرائی۔ پھر وہاں سے جنازہ اٹھا، ہجوم اس قدر تھا کہ شہر کا شہراڑ کر آگیا تھا، یعنی شاہروں کا بیان ہے کہ معذروں کے سوا سب ہی اہل شہر جنازہ کے ساتھ شامل تھے۔ آنکھیں اشکبار تھیں۔ مدیحہ و دعائیہ کلمات زبانوں پر تھے، ہر ایک فرط عقیدت سے جنازہ سے مس کرنا چاہتا تھا۔ شدت اثر و حاکم کی وجہ سے جنازہ کی حفاظت و انتظام کے لیے فوج کو جنازہ گھرے میں لینا پڑا۔ ہجوم لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی گیا، دمشق سے باہر ایک وسیع میدان میں جنازہ رکھ دیا گیا۔ تیسری نماز جنازہ علامہ زین الدین عبدالرحمن نے پڑھائی اور عصر کے قریب اس آفتاب علم اور مجدد ملت کو اپنے مہبائی شرف الدین عبداللہ کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔

جنازہ پر تقریباً دو لاکھ کی حاضری کا اندازہ کیا گیا ہے۔ ۱۵ ہزار عورتوں کا تخمینہ اس کے علاوہ ہے۔ دمشق کی تاریخ میں اس قسم کے جنازہ کی مثال نہیں ملتی۔

ع آسمانے نیری لحد پر شہنم انشانی کرے

مَحْمُودُ أَحْمَدُ عَضَنَفَرُ

فزر عری: ۱۹۸۴ م



پیش لفظ

حَامِدًا وَ مَوْصِلِيًّا

یہ کتاب ”تفسیر آیتِ کرمیہ“ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ نے ان آٹھ سوالوں کے جواب میں لکھی جو ایک سال نے آیتِ کرمیہ کے ضمن میں پیدا ہونے والے سوال امام مدوح کی خدمت میں پیش کیے تھے۔ یہ سوالات اسی کتاب کی تمہید میں بالترتیب ذکر کر دیے گئے ہیں۔

یہ کتاب امام صاحب نے عربی میں تحریر فرمائی، جس کا اردو ترجمہ مولانا عبدالرحیم مرحوم ناظم دارالعلوم پشاور نے کیا، تاکہ عوام الناس پوری طرح اس سے استفادہ کر سکیں۔ چونکہ یہ کتاب ایک عرصہ سے نایاب تھی، بڑی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اسے حاصل کر کے دوبارہ منظرِ عام پر لایا جائے۔ لہذا سے از سر نو ترتیب دیا گیا اور دوبارہ موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق تمکنتِ آیت بتدریج کی جانب سے شائع کیا جا رہا ہے۔ کتاب میں جاذبیت پیدا کرنے کے لیے اسے سات ابواب میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ عام فہم بنانے کے لیے جلی اور بغلی عنوان قائم کر دیے گئے ہیں۔ کہیں کہیں حاشیہ آرائی نے اسے مزید آسان بنا دیا ہے تاکہ ہر خاص و عام اس سے پوری طرح استفادہ کر سکے۔ ابتداء میں مضامین کی فہرست کے بعد شیخ الاسلام

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات زندگی بھی درج کر دیے گئے ہیں تاکہ کتاب پڑھنے سے پہلے مطالعہ کر لے والے کے ذہن پر مصنف کی ہمہ گیر شخصیت کا اثر پڑ سکے ، ویسے تو امام صاحب علیہ الرحمۃ کا نام ہی اپنے اندر کشش اور جاذبیت رکھتا ہے ۔ کسی کتاب پر آپ کا نام دیکھ لینے کے بعد ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی کہ کسی سے اس کتاب کا تعارف کرایا جائے ، آپ کا نام ہی اس کتاب کے مستند ہونے پر ایک دلیل ہے ۔

آخر میں قارئین کرام سے اپیل ہے کہ بندہ عاجز کے سخی میں دعا فرمائیں ۔ اللہ تعالیٰ مجھے دینی علوم کی خدمت کرنے اور اس قسم کے ذخائر علیہ کو تلاش کر کے ہر خاص و عام تک پہنچانے کی توفیق بخشے ۔ آمین !

خاکسار :-

محمود احمد عَضَنَفَر

فروری ۱۹۸۳ء



تفسیر



لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ
إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

ترجمہ: (اے پروردگار) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری ذات پاک ہے
بے شک میں ہی ظالموں سے ہوں

مشہد

سوال | کسی شخص نے شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ یہ جو احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

دعوة اخي ذي النون لا
 الله الا انت سبحتك افي
 كنت من الظلمين مادعا
 بھا مکروبا الا فوج الله
 کس بتہ تو قینا اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت دو
 کر دے گا۔

حضرت! آپ فرمائیں اس بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے۔ اس سلسلہ میں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں ان کا جواب باصواب دے کر ممنون فرمائیں۔ عند اللہ

ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔ سوالات درج ذیل ہیں:

- ۱۔ ان الفاظ کو لفظ دعا سے تعبیر کرنے کے کیا معنی ہیں؟
- ۲۔ دعا کے ان الفاظ میں مصیبت دور کرنے کی کون سی طاقت ہے؟
- ۳۔ جب آدمی یہ الفاظ منہ سے نکالے تو کیا ان کے ذریعے درجہ پذیرائی حاصل کرنے کے لیے کسی باطنی شرط کا ہونا لازمی ہے؟
- ۴۔ مصیبت دور کرنے کی خاصیت ان الفاظ میں کیونکر رکھی گئی ہے؟

- ۵۔ "أَفِي كُنْت من الظلمين" کے الفاظ کو توحید کے ساتھ کونسی مناسبت ہے جس کی بنا پر ان دونوں کو ایک ہی لڑی میں پر دیا گیا ہے؟
- ۶۔ کیا توبہ کی مقبولیت کے لیے صرف اپنے گناہ کا اعتراف کر لینا ہی کافی ہے یا آئندہ کے لیے گناہ کے ترک کرنے کا پختہ ارادہ کرنا بھی شرط ہے؟
- ۷۔ اس میں کیا راز ہے کہ مصیبت اسی صورت میں دور ہوتی ہے کہ آدمی تمام مخلوقات سے اپنی امید و بیم کا رشتہ بالکل منقطع کر لے اور اللہ کے سوا کسی سے امید وابستہ نہ رکھے؟
- ۸۔ مخلوقات سے تعلقات قطع کرنے اور کلیتہً خدائے واحد سے رشتہ جوڑنے کی کیا تدبیریں ہیں؟
- انہ سوالوں کا جواب دے کر عذر اللہ ماجد بولے۔ انہ ساری باتوں کا جواب شرع متین کے مطابق بیان فرمایا اور اسے کاجرا اللہ تعالیٰ سے پائیے۔
- جواب** | شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ نے اس کے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو اہم مدوح کے الفاظ میں پیش خدمت ہے۔ مطالعہ کریں اور اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کریں۔



پہلا باب

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

دُعائے پونس کی معنوی نسبت

دعا یعنی عبادت اور سوال | لفظِ دعا اور دعوت کا استعمال قرآنِ کریم میں دو مختلف معانی میں ہوا ہے۔ ایک عبادت اور دوسرا سوال کے معنی میں۔ جن آیتوں میں دعا کا لفظ عبادت کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں؛
غیر اللہ کی عبادت کے رد میں فرمایا:-

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا
أُخْرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُذَلِّينَ
اشعرار: ۲۱۳

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا
أُخْرَ لَا بُنْ هَانَ لَهُ بِهِ فَاِنَّمَا
حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا
يُغْلِبُ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(لے نبی!) آپ اللہ کے ساتھ کسی
دوسرے کی عبادت نہ کریں ورنہ آپ
بھی عذاب پانے والوں سے ہو جائیں گے۔
جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود
کی پرستش کرتا ہے جس کی اس کے
پاس کوئی سند نہیں تو اس کی جواہری
اس کے پروردگار کے پاس ہوگی۔

لہ یہاں سے پہلے سوال کا جواب شروع ہوتا ہے۔

(اللہ کا فیصلہ ہے کہ کافر نیچا نہیں پاتے
(اے نبی!) آپ اللہ کے ساتھ کسی
دوسرے معبود کی عبادت نہ کریں اس
کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔
اس کی ذات کے سوا سب چیزیں
ہلاک ہونے والی ہیں۔ وہی بادشاہ ہے
جس کے حضور تم کو حاضر ہونا ہے۔

(الرومنون: ۱۱۷)

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا
إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ
إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ
تُرْجَعُونَ ○

(القصص: ۸۸)

خدا کی عبادت کرنے کی ترغیب دلانے کے لیے فرمایا:

جب اللہ کا بندہ (نبی) اس کی عبادت
کرنے کو کھڑا ہوتا تو وہ ایک دوسرے پر گرسے
پڑتے تھے (انہوہ درابنہ جمع ہوتے)

وَ أَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ
كَادُوا أَنْ يَمْكُنُوا لَيْدًا
(الحج: ۱۹)

شیطان کی عبادت کرنے سے ڈرانے کی خاطر فرمایا:

(بیشتر لوگ) اللہ کے سوا بتوں کی پرستش
کرتے ہیں (جن کو وہ عورتیں تصور کرتے
ہیں) درحقیقت وہ شیطان مردود
کی پوجا کرتے ہیں۔

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
إِنَّا نَأْتِيهِمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ
سُرِّيًّا ○
(النساء: ۱۱۷)

سچی عبادت کی تلقین اس طرح فرمائی:-

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ

لَهُ كَادُوا أَنْ يَمْكُنُوا عَلَيْهِ لَيْدًا کے معنی ہیں، وہ یکے بعد دیگرے صفیں بانڈھ کر کثرت اثر و عام سے اس
پر گرسے پڑتے ہیں کہ قرآن سنیں یا عجیب چیز سمجھ کر جمع ہوتے اور بھیر کرتے۔ اس سے مراد جنوں
کی جماعت ہے اور مومنوں کو ترغیب دلائی ہے۔ (مترجم)

یَدْعُونَ مِنْ دُونِهَا لَا
يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ شَيْءٌ
إِلَّا كِبَاسِطٌ كَقَبِّهِ إِلَى الْمَاءِ
لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبِالْغِيهِ
وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا
فِي ضَلَالٍ ۝ (الرعد: ۱۴)

لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں وہ
ان کی دعا کا جواب نہیں دیتے مگر مثل
اس آدمی کے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی
کی طرف پھیلائے کہ اس کے منہ میں
میں پہنچنے والا نہیں ہے۔ کافروں کی
عبادت برباد اور رائیگاں جاتی ہے۔

اور غیر اللہ کی عبادت نہ کرنے والوں کے بارہ میں فرمایا:-

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ
اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ
النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا
بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ
(الفرقان: ۶۸)

جو لوگ اللہ کے ہمراہ کسی دوسرے معبود
کی عبادت نہیں کرتے اور جس جان
کو مارنے سے منع کیا گیا ہے اسے
نہیں مارتے مگر سچائی کے ساتھ اور
زنا نہ کرتے ہیں۔

اسی سورہ کے آخر میں فرمایا:-

قُلْ مَا يَدْعُوا مِنْ دُونِ
لَوْ لَا دُعَاءُكُمْ
(الفرقان: ۷۷)

اے نبی! کافروں سے (فرما دیجئے،
میرے پروردگار کو تمہاری کیا پرہیزگاری
اگر تم نے اس سے دعا و عبادت نہ کی۔

دعا اور صلوة کا تشبیہ | یہاں لَوْ لَا دُعَاءُكُمْ ایک بہت قوی جملہ ہے کیونکہ
اس میں مصدر اپنے ناعل کی طرف مضاف ہے۔ اگر مفعول کی طرف اضافت ہوتی
تو بات اتنی زور دار نہ ہوتی۔ لہذا اس کے معنی یہ ہوتے کہ اس کی عبادت کرو اور اسی
سے سوال کرو۔

اسی کے ساتھ فرمایا ہے:-

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ
لِزَامًا ○ (الفرقان: ۷۷)

تم نے جو کچھ اس کی تکذیب کر دی ہے
لہذا عذابتیریب اس کا عذاب لازم ہو
جائے گا۔ یعنی جھٹلانے والوں کے لیے
عذاب لازم ہے۔

لفظ صلوة بھی اصل میں لفظ دعا ہے اور اس کا نام صلوة اس بنا پر رکھا گیا کہ اس کے
مفہوم میں دعا کے دونوں معنی شامل ہیں، عبادت کرنا اور سوال کرنا۔ لفظ صلوة کی اس
تفسیر کی فرمان الہی سے بھی تائید ہوتی ہے۔

قَالَ يَا بَكْرُ اذْعُوْا فِى
اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن: ۶۰) | کرو۔ میں تمہاری دعا قبول کرتا ہوں۔
تمہارا پروردگار فرماتا ہے، تم مجھ سے دعا
دو وجہوں سے ایسا کہا گیا ہے ایک یہ کہ تم میری عبادت کرو اور دوسری یہ کہ میرے
حکم کی تعمیل کرو۔ تم ایسا کرو گے تو میں تمہاری بات کو شرف قبولیت بخشوں گا۔ جیسا کہ
دوسری جگہ بیان ہے۔

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
(شوری: ۲۶)

اللہ ان لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے
جو ایمان دار اور نیک عمل کرنے والے
ہیں۔

یعنی استجاب لہم اللہ تعالیٰ انہیں مقبولیت سے مشرف فرمائے گا۔
تو گویا یہ بات واضح ہے کہ لغت عرب میں دعا کا لفظ بمعنی عبادت بھی استعمال
ہوتا ہے اور بمعنی سوال و طلب بھی، جو محتاج ثبوت نہیں کیونکہ دعا کے معروف و
قبول معنی ہی ہیں، جیسا کہ استجابہ و استجاب لہ کے متعلق شاعر کہتا ہے۔

دَاعِ يَا مَنْ يَجِيبُ اِلَى النَّدَى
فَلَمْ يَسْتَجِبْهُ عِنْدَ ذَا لِيْ مَجِيبِ

ترجمہ :- پکارنے والے نے کہا اے نمازوں کے سننے والے! وہ تجھ سے
کیوں نہ مانگے جب تو قبول کرنے والا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ تم مجھ سے مانگو تو میں تم کو دے دوں گا۔ فرمایا:-

سَلُّوْا عَلٰی اَعْطَاكُمْ | مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔

صحیحین میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

یَنْزِلُ رَبُّنَا كُلَّ لَيْلَةٍ	ہمارا پروردگار ہر ایک رات آسمان دنیا
اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حَتَّىٰ	پر نزول فرماتا ہے جب کہ رات کا ایک
يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ	تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے پھر فرماتا ہے:
فَيَقُوْلُ مَنْ يَدْعُوْنِي	کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس
فَاَسْتَجِيبُ لَهٗ مَنْ يَسْأَلُنِي	کی دعا قبول کر لوں گا، کوئی ہے جو مجھ
فَاَعْطِيْهِ مَنْ يَسْتَعِيْزُنِي	سے سوال کرے تو میں اس کا سوال
فَاَغْفِرْ لَهٗ	پورا کر دوں۔ کوئی ہے جو مغفرت کا
	طلبگار ہو کہ میں اسے بخش دوں؟

سائل اور داعی | اس حدیث میں بھی سب سے پہلے لفظ دعا کا ذکر ہے اور اس کے
بعد سوال اور استغفار کا ذکر ہے اور بخشش مانگنے والا بھی ایک سائل کی حیثیت رکھتا ہے
جیسا کہ ایک سوال کرنے والا بھی ایک داعی ہے، لیکن برائی دفع کرنے والے سائل
کا ذکر، طالب خیر کے سوال کے ذکر کے بعد کیا ہے اور پھر ان دونوں کا اکٹھا ذکر لفظ
داعی کے بعد کر دیا ہے جو نہ صرف ان دونوں کے معنوں پر اطلاق رکھتا ہے بلکہ ان کے
علاوہ اور معنوں پر بھی حاوی ہے۔ پس یہ ایک خاص بات کو عام سے معطوف کرنے کی
قسم سے ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

فَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ
 (البقرہ: ۱۸۶)

اے نبی! جب میرا بندہ آپ سے میری
 بابت سوال کرے تو (فورا) مجھے میں
 نزدیک ہی ہوں۔ پکارنے والے کی
 دعا کو سن لیتا ہوں جب بھی وہ بلا ہو

عبادت اور سوال کا باہمی ربط | عبادت اور سوال دعا کے دونوں معانی میں ایک
 قسم کا ربط پایا جاتا ہے، کیونکہ ہر ایک شخص جو کسی چیز کا سوال کرتا اور اس کا طلب گار ہوتا ہے
 اس میں رغبت اور خوف کی صفت پائی جاتی ہے۔ نیز جس سے سوال کرتا ہے اس کے
 آگے اپنے آپ کو ذلیل کرتا اور اس کے سامنے جھکتا ہے اور عبادت کا بھی قریب
 قریب یہی مفہوم ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی کی عبادت کرتا ہے وہ اس سے حصول طلب
 کا امیدوار ہو کر اس کی بارگاہ میں راغب ہوتا ہے اور اس کے جی میں ناکامی کا بھی
 خطرہ لگا رہتا ہے۔

عابد اور سائل | الغرض ہر ایک عابد سائل ہے اور ہر ایک سائل عابد۔ اور عبادت اور
 سوال دونوں لازم لزوم ہیں اور اسی لیے ہر ایک لفظ ان میں سے الگ الگ استعمال
 ہو تو وہ دونوں معانی کے لیے استعمال ہونے کا احتمال رکھتا ہے لیکن جب دونوں
 لفظ ایک ہی موقع پر استعمال ہوں تو سائل کے لفظ کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے
 الفاظ کے ذریعے کسی نفع کے حاصل کرنے یا کسی نقصان سے بچنے کا خواہش مند ہے
 لیکن ایک عابد کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ حکم کی اطاعت کر کے اپنے دعا کا خواہاں ہوتا ہے
 لیکن اس کے الفاظ میں صریح سوال اور الفاظ کی شکل میں درخواست نہیں ہوتی۔

لے کیونکہ وہ کامیابی کے حصول میں راغب اور اس کے عدم حصول سے خائف و ہراساں رہتا ہے

عبادت کا نصب العین

رُغْبَتِ اور رُخُوفِ | جو لوگ خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے عبادت کرتے ہیں، وہ بھی رُغْبَتِ اور رُہْبَتِ اور رُخُوفِ درجہ سے خالی نہیں۔ اپنی اِدْر کے پورا ہو جانے کی رُغْبَتِ رکھتے ہیں اور اس کے فوت ہو جانے سے ہراساں رہتے ہیں۔ انبیائے کرام اخلاص کے اعلیٰ ترین مقامات پر فائز تھے، بایں ہمہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ان کی عبادت کے نصب العین کو رُغْبَتِ اور رُخُوفِ تعبیر فرماتا ہے۔

إِنَّهُمْ كَانُوا إِسْرَاعُونَ
فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا
مُرَعَّبًا وَقَانًا
لَنَا خَاشِعِينَ ○

بیشک یہ سیرتِ نبویہ کیوں کے بجالانے میں نہایت مستعدی سے کام لیتے تھے اور رُغْبَتِ اور رُخُوفِ کے محرک سے متاثر ہو کر وہ ہماری عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے اور ہماری ہی بارگاہ میں وہ عاجزی کرتے تھے۔

(الانبیاء: ۹۰)

ایک دوسری جگہ پر مقررین بارگاہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:-

تَسْجَا فِي جُنُودِهِمْ عَنِ
الْمَنَاجِحِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ
خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا
رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ○

رات کو عبادت کرتے وقت ان کے پیلو اپنے نرم بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں اور وہ ایم و امید کے جذبات سے اپنے خدا کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق

عطا فرمایا ہے، اس سے (راہ خدا میں)
خبرچ کرتے ہیں۔

(الم سجدہ: ۱۷۰)

خوف ورجاء | بعض مشائخ طریقت سے منقول ہے کہ خوف ورجاء عوام کے مقامات سے ہے اور اس طرح یہ تشریح کی گئی ہے کہ مقربین کے مد نظر صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے اور وہ کسی مخلوق پیر سے لذت حاصل کرنے کے خواہشمند نہیں ہوتے، لیکن وہ بہر حال کسی مدعا کے حصول کے خواہاں اور اس کے محروم رہ جانے کے اندیشہ سے لرزاں رہ جاتے ہیں۔ خواہ ان کا سطح نظر کتنا بلند اور مقصد کتنا اعلیٰ وارفع ہوتا ہے۔

دوزخ اور جنت | بعض مشائخ سے یہ بھی منقول ہے کہ:

”بارِ خدا! میں نے جنت کے حصول کی خاطر یاد دوزخ سے ڈر کر تیری

عبادت نہیں کی“

اس قول کے قائل کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ جنت جسمانی خطوط کا نام ہے اور دوزخ کا مفہوم ظاہری عذاب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالمِ آخرت میں جتنی جسمانی اور روحانی نعمتیں اپنے پیارے بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں وہ سب جنت کے مفہوم میں داخل ہیں اور دوزخ اس کی ضد ہے۔

اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کا رتبہ سب سے بڑھ کر ہے، ہمیشہ

اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتے اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے جیسا کہ

لہ طریقت نقشبندیہ کے ایک مشہور معتد امام ربانی علیہ الرحمۃ نے جو مجدد الف ثانی کے لقب سے معروف ہیں۔ اپنے کتابت میں لکھنا ہی تقریر لکھی ہے۔ یہ سوال دینے سے میرے دو مقصد ہیں۔ ایک یہ کہ

جو لوگ حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور ان کے عقیدت مندوں کو اولیاء اللہ کا منکر خیال کرتے ہیں وہ خود مشائخ طریقت کے کلام میں ان کا مضمون پڑھ لیں۔ دوسرے یہ کہ بعض اہل حدیث سب مشائخ کو ایک جیسا خیال کرتے ہیں، ان کو بھی یہ غلط فہمی دور ہو۔ (مترجم)

حدیث میں وارد ہے کہ آپ کے اصحاب نے دریافت کیا کہ آپ اپنی نماز میں کیا پڑھتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا:-

إِنِّي أَسْأَلُ الْجَنَّةَ وَ أَعُوذُ
بِاللَّهِ مِنَ النَّارِ
میں جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ
سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔
نیز آپ نے فرمایا کہ:-

”ایسی آواز سے بات کرنا کہ سمجھ میں نہ آسکے، ایسی گھنگناہٹ کو میں پسند نہیں کرتا“
جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے:-

أَفِي لَأِحْسَنَ دُنْدِنَتِكَ الْإِلَادَةَ مَعَاذَ فَقَالَ حَوْلَمَا نَدْنُ
ویدار خداوندی اور علمائے کرام | بعض علماء کرام یہ کہنا قابلِ اعتراض خیال کرتے ہیں کہ
اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ لَذَّةَ | بارِخدا یا ا میں تجھ سے یہ درخواست
النَّظَرِ إِلَى وَجْهِكَ | کرتا ہوں کہ مجھ کو اپنے ویدار کی لذت
سے بہرہ و در فرما۔

ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ویدار سے لذت حاصل کرنا کچھ بے معنی سی بات ہے۔ کیونکہ لذت ہمیشہ کسی محسوس اور جسمانی چیز سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ان چیزوں سے بالاتر ہے۔

یہ خیال بھی بالکل باطل ہے اور ان لوگوں کو بھی پہلے فریق کی طرح جنت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ پہلے فریق کی طلب اور درخواست ٹھیک ہے۔ برخلاف اس کے مؤخر الذکر جماعت نے ایک جائز درخواست کا انکار کیا اور اس کو قابلِ اعتراض خیال کیا ہے۔



عزیمت کا اظہار

www.KitaboSunnat.com
 اکابر طہارت کا قول | دوزخ کے عذاب سے درد محسوس کرنا حقیقت اور امر واقع
 ہے جس کی برداشت انسان کی طاقت سے بالاتر ہے مَبْنَاؤْ لَا تُحْمِلُنَا مَا لَا
 طَاقَةَ لَنَا بِهِ ج

اور یہ جو بعض اکابر طہارت کا قول نقل کیا گیا ہے کہ۔

” اگر مجھ کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں بھی ڈال دے تو اس پر میں راضی ہوں گا۔“

یہ ایک عزیمت کا اظہار ہے، لیکن بعض اوقات حقیقت کے رونا ہونے پر عزیمت
 قائم نہیں رہتی جیسا کہ سمون علیہ الرحمۃ ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ انہوں نے ایک
 مرتبہ کہا تھا:

مجھ کو تیرے بغیر کسی چیز سے لطف	و لیس فی سواک حظاً
حاصل نہیں ہوتا، اس لیے جس طرح	فکیف ما شدت فامتحنی
مجھ تو چاہے مجھے آزمائے۔	

اس کے بعد وہ عہد بول کے عارضہ میں مبتلا ہو گئے، تب ان کی آنکھیں کھلیں پچنانچہ
 وہ مدرسوں اور مکتبوں میں جا کر معصوم بچوں سے دفع تکلیف کے لیے دعا کرتے پرتے
 اور ان سے کہتے کہ۔

”اپنے جھوٹے سچا کے لیے دعا کریں۔“

شہادت قرآنی | کلام پاک میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ | بیشک تم موت سے ملاقاتی ہونے

الْمَوْتِ مِنْ تَبَلٍ أَنْ تَلْفِكَ
فَقَدْ رَأَيْتُمُو كَأَيَّ شَيْءٍ
تَنْظُرُونَ ○ (آل عمران ۱۱۲)

سے پیشتر اس کے خدایاں تھے،
لیکن اب تم نے اپنی آنکھوں سے
دیکھ لیا۔

الغرض کسی چیز کا تصور باندھ کر کوئی ارادہ کر لیا اور بات ہے اور حقیقت کا ظہور میں
آنا کچھ اور بات ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ | بعض اصحاب تصوف نے مقامات کے پوشیدہ تقاضے پر
بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

”محبت و رضا اور خوف و رجاء عوام کے مقامات ہیں۔ واصل حقیقت
جب دیکھتا ہے کہ جو کچھ بھی دنیا میں ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تو
اس کے دل سے اوہام نکل جاتے ہیں۔“

لیکن یہ قول سراسر غلط اور حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص
جو زندہ ہے کسی مرغوب چیز کی محبت یا مبغوض چیز کی نفرت اپنے دل میں محسوس نہ کرے
اور اگر کوئی یہ کہے کہ انسان زندہ اور صاحبِ حواس ہو کر کائنات کے نیک و بد کو ایک جیسا
محسوس کرتا ہے تو ایسا کہنے والا یا تو جاہل مطلق ہے کہ جو کچھ منہ سے کہتا ہے اس کی حقیقت
کا تصور نہیں کر سکتا۔ یا مکار ہے اور حقائق کے وجود کا دانستہ انکار کرتا ہے۔

مقام فنا اور دعوائے محویت | اگر فرض کر لیا جائے کہ بعض حالتوں میں انسان کی
عقل زائل ہو جاتی ہے جن کو محویت اور فنا وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے تو ایسے شخص
کا بھی احساس بالکلیت زائل نہیں ہوتا۔ بلکہ موافق اور مخالف کے حُب و بغض کا احساس
فی الجملہ اس میں قائم رہتا ہے اس لیے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ توحید افعال اور توحید ربوبیت
کا مشاہدہ کرانے والے جمع اور فنا کے مقام پر نائز ہو کر کسی موافق اور مخالف چیز کی بابت
حُب اور بغض یا رغبت اور نفرت کا بالکل احساس نہیں کرتے۔ دو مختلف چیزوں

میں فرق محسوس کرنا ناگزیر ہے اور اگر آدمی اس فرق کو محسوس نہ کرے جو شریعت نے بیان کیا ہے تو لا محالہ وہ قطعاً مختلف استیاء اور مختلف امور میں فرق محسوس کرے گا اور اس حالت میں وہ اپنے مولیٰ کی مرضی کے تابع ہونے کی بجائے اپنی ہوائے نفس کا پیرو کار ہوگا۔

شیخ جنید بغدادیؒ یہی وجہ ہے کہ جب یہ فنا اور محویت کا مسئلہ شیخ جنید بغدادیؒ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے تصریح فرمائی کہ توحید افعال کا شاہدہ کرتے ہوئے مخطور اور امور میں فرق کرنا اور جن باتوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور جن کو ناپسند سمجھتا ہے ان میں امتیاز کرنا لازم ہے۔ لیکن اگر کوئی شرعی فرق کو اڑا دے تو وہ یقیناً دائرہ اسلام سے خارج ہوگا اور بلحاظ شریعی وہ عام کافروں سے بدتر ہوگا۔ کیونکہ یہی لوگ ہوتے ہیں جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے اشخاص میں تیز نہیں کرتے بلکہ دونوں کو برابر سمجھنے لگتے ہیں اور رفتہ رفتہ وحدت وجود کے قائل ہو کر خالق اور مخلوق کا فرق بھی اٹھا دیتے ہیں اور دونوں کو ایک سمجھتے ہیں۔

تاہم سب کا یہ انجام نہیں ہوتا بلکہ اکثر ان میں سے فی الجملہ فرق کو قائم رکھتے ہیں۔ اور اس لیے کبھی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں اور کبھی نہیں۔ ان امور کی تفصیل کے لیے یہ جگہ نہیں۔

یہاں پر بتانا یہ تھا کہ دعا کا لفظ ہر دو معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِجِزْ دَعْوَانِ الْاِحْمَدِ | اور اہل جنت کی دعا کا خاتمہ یہ ہوگا
 بِلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ | کہ تمام تعریف اور ثناء اللہ تعالیٰ کے لیے
 (یونس: ۱۰) | مخصوص ہے جو تمام عالموں کا پروردگار ہے

آیتِ کرمیہ کی خاصیت

ارشاداتِ نبویؐ | ابن ماجہ کی ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ سب سے اچھا ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے بہتر دعا الحمد للہ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے (جس کو سائل نے اپنے سوال میں ذکر کیا ہے) کہ یہ میرے بھائی یونس علیہ السلام کی دعا ہے، یعنی:-

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ (اے پروردگار!) تیرے سوا کوئی معبود
 اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ ﴿۱۹﴾
 (الانبیاء: ۱۹) | نہیں ہے اور بیشک میں (اپنے حق میں) ظالم ہوں۔

اگر کوئی مصیبت زدہ ان الفاظ میں دعا کرے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کو دور کر دے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یونس علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات کو دعا کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، کیوں کہ وہ دعا کے دونوں معانی پر مشتمل ہیں۔

اس کا پہلا حصہ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ توحید الوہیت کا اعتراف ہے اور یہ اعتراف دعا کے ہر دو معانی کو شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس سے قضائے حاجات کی بابت سوال کیا جائے لے

لے شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں یعنی اپنی تصنیفات میں اور نیز اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں مختلف جگہوں پر توحید الوہیت اور توحید بوہیت کا فرق نہایت شد و مد کے ساتھ (بقیہ برص ۳۵)

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کا دوسرا حصہ اِنِّی کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ اپنے گناہ اور قصور کا اقرار ہے جس کے ضمن میں طلب مغفرت کا سوال مضمون ہے، کیونکہ سائل کبھی تو اپنے سوال میں صریح طلب کا استعمال کرتا ہے جیسے اَللّٰهُمَّ اَغْفِرْ لِیْ اور کبھی صرف اخبار کو سوال کا ذریعہ بناتا ہے۔

سوال کی مختلف صورتیں | سوال کی پھر کئی صورتیں ہیں:

اول: یہ کہ اپنے حال کا اظہار کیا جائے۔

دوم: جس سے سوال کیا جائے اس کی کوئی مناسب حال صفت بیان کر دی جائے
سوم: بعض اوقات ان دونوں کا بیان ہوتا ہے۔

پہلے صورت سے کی مثال حضرت یونس علیہ السلام کا مندرجہ بالا قول ہے یا جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

مَا بَدَأْنَا مِنْ دُونِ اِنِّیْ اَنْ اَكُوْنُ مِنْ اَعْمٰیۃِ الْاٰنۡسِیۡنِ وَ اَلۡجِنِّ اَنْ اَقُوْلَ سُبْحٰنَ رَبِّیۡ اَلۡعَلَّیۡ ۗ اِنِّیۡ كُنْتُ مِنَ الظَّٰلِمِیۡنَ
لَمَّا تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا | اب اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم

(بقیہ حاشیہ ۳۴) بیان فرمایا ہے ان کے کلام کا ملخص یہ ہے کہ توحید کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ تمام دنیا کا خالق و رازق ایک ہے اور وہ قادر مطلق ہے۔ اس کا نام توحید ربوبیت ہے اور مشرکوں کو بھی اس سے انکار نہیں رہی ہے کہ قرآن مجید میں کثرت سے اس عقیدہ کا ذکر ہے۔ دوسرے یہ کہ صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود سمجھے، اسی کے سامنے اپنا سر جھکائے، اسی سے قضائے حاجات کی بابت درخواست کرے۔ اسی کی ذات پاک پر اس کا بھروسہ ہو اور اسی کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھے۔ اس کو توحید الوہیت کہتے ہیں اور اسی توحید کی تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے تعلیم دی ہے۔ قرآن کریم نے بھی جا بجا اسی توحید کی طرف لوگوں کو بلا یا ہے اور بغیر اس کے آدمی مسلمان نہیں ہوتا۔ (مترجم)

لَسَكُونَنَّ مِنَ الْخَيْرِينَ | نہ فرمایا تو ہم یقیناً نقصان اٹھالے والے
(الاعراف: ۲۳) | زیاں کار ہو جائیں گے۔

ان ہر دو اقوال میں اپنی حالت کا بیان ہے اور ضمناً طلبِ مغفرت چاہی ہے اگرچہ
بظاہر کوئی ایسا لفظ نہیں بولا محض ایک خبر بیان کی ہے کہ عدمِ مغفرت اور کم نوازی
سے شاد کام نہ فرمانا موجبِ حشران ہوگا۔

اسی قبیل سے حضرت نوح علیہ السلام کا اقبالِ بزم بھی ہے کہ انہوں نے کہا:
رَبِّ اِنِّي اَعُوذُ بِكَ اَنْ
اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ | پروردگار! میں تیری پناہ میں آتا ہوں
وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِي فَاَنْتَ خَمِيضٌ | کہ میں نے تجھ سے ایک ایسی بات کا
اَكُنْ مِنَ الْخَيْرِينَ ○ | سوال کیا جس کا مجھے علم نہ تھا اگر تو
(ہود: ۲۶) | نے مجھے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو
میں زیاں کاروں میں ہو جاؤں گا۔

اس میں بھی بیانِ خبر طلبِ مغفرت کو شامل ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا
قول ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

رَبِّ اِنِّي لِمَا اَنْزَلْتَ | پروردگار! میں اس نعمت کا محتاج
اِلَيْكَ مِنْ خَيْرٍ فَاقْبَلْ | ہوں جو تو میری طرف آتا دے۔

یہ ان کے حال کی ہو ہو تصور ہے۔ نزولِ خیر اور برکتِ خداوندی کا محتاج ہونا
ہی ایک سوال ہے جو رحمتِ الہی کو کھینچ کر لاتا ہے۔ امام ترمذی نے روایت کی
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

مَنْ شَغَلَهُ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ | جس شخص کو تلاوتِ قرآن نے میری
عَنْ ذِكْرِي فَاسْأَلْنِي | یاد اور سوال کرنے سے غافل کر دیا
اَعْطَيْتُهُ اَفْضَلَ مَا | ہو۔ میں اسے تمام سائلوں سے بھی

اَعْطِيَ السَّائِلِينَ | زیادہ عنایت کر دیتا ہوں۔
دوسری صورت کی توضیح اس مثال سے ہو سکتی ہے کہ ایک شخص اپنے
گناہوں کا تصور کرنے کے لیے:

اللَّهُمَّ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ | خدایا ابا بے شک تو ہی بخشنے والا
الرَّحِيمُ | مہربان ہے۔

تیسری صورت کی مثال یہ ہے:

اللَّهُمَّ اِنَّا الْمَذْنِبُونَ | خدایا! میں گناہگار ہوں اور تو بخشش
أَنْتَ الْغَفُورُ | و مغفرت کرنے والا ہے

حضرت سفیان سے سوال و جواب | سفیان بن عیینہ سے پوچھا گیا کہ ایک حدیث

میں وارد ہے کہ عرفہ کے دن سب سے بہتر دعا یہ ہے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا
شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ
الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ | خدایا تو تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں
وہ یگانہ ہے کوئی اس کا شریک نہیں
بادشاہی بھی اسی کی ہے اور حمد و ثنا
کا مستحق بھی وہی ہے اور وہ ہر چیز
پر قادر ہے۔

حضرت سفیان نے پہلے تو یہ حدیث قدسی ذکر فرمائی کہ:

مَنْ شَغَلَهُ ذِكْرِي عَنْ
سَأَلْتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ
مَا أُعْطِيَ السَّائِلِينَ | جس شخص کو میری یاد کی مشغولیت
نے سوال کرنے سے غافل کر دیا ہو
میں اس کو تمام سالوں سے زیادہ
بخش دیتا ہوں۔

اس کے بعد آپ نے امیر بن ابی صلت کے ان اشعار کا حوالہ دیا جن میں اس نے

ابن جبرعل کی مدح سرائی کی ہے:

ع اذک حاجتی ام قد کفانی جباؤک ان شیئتک المباء
 اذ اثنی علیک المرء یوما کفاه من تعرضه الشناع
 ترجمہ: یہ میں نہیں جانتا کہ میں اپنی حالت کا اظہار کروں یا تیری بخشش کا
 دریا خود بخود موجزن ہو گا۔ کیونکہ بخشش تیری فطرت میں داخل ہے۔
 جب کبھی کوئی آدمی تیری مدح سرائی کرتا ہے تو پھر وہ طلب اور رسول
 کا محتاج نہیں رہتا۔

سفیان نے یہ شعر پڑھ کر فرمایا:

”لو یہ ایک آدمی ہے جو اپنے جیسے ایک آدمی کی تعریف کر رہا ہے
 اور خالق تعالیٰ کی شان تو اس سے بہت ہی بالاتر ہے“

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعائے مانورہ بھی اسی نوع میں شامل ہے۔

اللهم ربک الحمد والیک	خدایا! تعریف و تحمید کا مستحق تو ہی
المشکى و انت المستعان	ہے۔ تیری طرف میرا شکوہ ہے
و بک المستغاث و علیک	تو ہی میرا مددگار ہے تجھی سے میری
التکلون	فریاد ہے اور تجھی پر مجھے بھروسہ ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا | حضرت ایوب علیہ السلام کی تکلیف جب

انتہا تک پہنچ گئی تو انہوں نے رفع شدت کے لیے ان الفاظ میں دعا کی:

أَنْتَ مَسْنِي الصُّرُورِ وَأَنْتَ	بار خدایا! مجھ کو سخت تکلیف پہنچی
أَمْرًا حَمْرًا لَنْ أَجْمِيَنَّ	ہے اور تو سب مہربانوں سے زیادہ
(الانبیاء: ۸۳)	مہربان ہے۔

یہ کنایتہ سوال کرنے کی تیسری صورت ہے۔ اس میں سائل نے اپنے حال

کا بھی اظہار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ایک مناسب حال صفت کے ساتھ تعریف بھی کی ہے جس کے ضمن میں اس بات کی درخواست ہے کہ وہ اپنی رحمت کا طے سے اس کی تکلیف کو رفع فرما دے اور یہ ایک پیرایہ بیانِ خبریہ ہے جس میں معنوی طور پر سوال اور طلب شامل ہے۔

پیرایہ حسنِ ادب | اس قسم کے سوال میں حسنِ ادب پایا جاتا ہے جیسا کہ کوئی شخص جو کسی کے ساتھ حسنِ ادب اور تواضع سے پیش آئے اور اسے کہہ میں جھوکا ہوں میں بیمار ہوں۔ اس سے اس کا عیاء ہوئے کہ مجھے کھانا کھلاؤ اور میرا علاج کرو۔

اسی طرح اگر الفاظ کے ذریعہ سے سوال کی طلبِ صادق اور سوال کی قطعیت کا تقاضا ہوگا تو ضرور ہی ہے کہ سائل کے حالات اور اس کی پوزیشن کو واضح طور پر ظاہر کر کے بتلایا جائے کہ اس کا عجز و نکتہ اس حد کو پہنچ چکا ہے کہ اس کی حاجت براری کرنا چاہیے اور یہ بات پوری توجہ سے کام لیے بغیر انجام نہیں پاسکتی **الْحَيُّ الْبِقْوَاتِ الْكُنَايَةِ ابْلَغُ مِنَ التَّصْلِيحِ** وہ سوال اور درخواست کی ایک مؤکد ترین صورت ہے البتہ صریح سوال اور صیغہ طلب میں اپنے مقصد کا اظہار زیادہ واضح ہوتا ہے۔ اس لیے اکثر دعاؤں میں یہی صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔

جامع ترین دُعا | اس لیے اگر کوئی دعا سائل اور مستول دونوں کا حال بیان کر دینے پر مشتمل ہوگی، تو وہ دعا کی جامع ترین صورت ہوگی کیونکہ ایسی دعا سائل کے حال کی اطلاع اور مستول کے حال کے علم کی حامل ہوتی ہے جو دعا کی قبولیت کی ضامن ہوتی ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ لے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ کو کسی ایسی

لے یہ علم بیان کا ایک اصول ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی بات کو صریح نہ کہنا بلکہ کنایہ کے ساتھ کہنا جو بقابلہ صریح اظہار مقصد کے بیخ تر اور زیادہ مؤثر ہوتا ہے (متروجم)

دعا کی تعلیم دیجئے جس کو میں اپنی نازی میں پڑھا کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ دعا سکھائی:

<p>بار خدایا! میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے اور تو ہی گناہوں کا بخشنے والا ہے۔ اپنے ہاں سے مجھ کو مغفرت عنایت فرما اور مجھ پر رحم کر بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے۔</p>	<p>اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَأَعْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَإِنْ حَسِبِي إِلَيْكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ</p>
--	---

اس میں سائل اپنے حال کا اظہار کرتا ہے کہ وہ مغفرت کا محتاج ہے۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بیان کرتا ہے کہ اس کے بغیر کوئی اس کی مطلب براری پر قادر نہیں۔ اس کے بعد صریحاً اپنے مقصد کے متعلق درخواست ہے، اپنے رب کو مغفرت اور رحمت کی صفات سے موصوف ظاہر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اوصاف درخواست مذکورہ کو شرف قبولیت بخشنے کے مقتضی ہیں۔ اس قسم کی دعا جامع ترین دعا سمجھی جاتی ہے۔

<p>قرآنی دعاؤں کا خاصہ الغرض دعا کی یہ تمام قسمیں استعمال میں آتی ہیں اور قرآن کریم میں جو دعائیں مذکور ہیں وہ تمام اقسام کی حامل ہیں۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول کہ:</p> <p>رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ○ (القصاص: ۲۴)</p>	<p>اے میرے رب! جو کچھ نعمت بھی تو میری طرف نازل فرمائے میں اس کا محتاج ہوں۔</p>
--	---

اس میں اپنے حال کا اظہار کیا ہے، دوسری جگہ آپ کا یہ قول منقول ہے:-

رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي | اے میرے رب! میں نے اپنے

فَاغْفِرْ لِي (القصص: ۱۴) | آپ پر ظلم کیا ہے پس تو مجھے بخش دے
 اس میں اپنا حال ظاہر کرنے کے علاوہ طلب مغفرت کی تصریح ہے۔
 تیسری دعاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سورۃ اعراف میں ان کی زبان سے
 نقل کی گئی ہے۔

أَنْتَ وَ لَيْسَنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَ | تو ہی ہمارا سرپرست اور کار ساز ہے
 أَنْحَسْنَا وَ أَنْتَ حَيُّ | ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما
 الْغَافِرِينَ ○ | تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔

اس میں ستوں کا حال بیان کیا گیا ہے جو اجابت کا مستحق ہے۔ اور ساتھ ہی طلب
 کی بھی تصریح ہے۔

بہر حال سوال کی یہ تمام تقسیمیں مستعمل ہیں اور ہر ایک قسم کی ایک خاص خصوصیت

ہے۔



درجہ پنجم پیرانی دُعائے یونس علیہ السلام

دُعَا کا مخصوص انداز اب رہا یہ سوال کہ حضرت یونس علیہ السلام نے کیوں اپنی دعا میں مقصد کی تصریح نہیں کی؟ اور صرف اپنا حال بیان کرنے پر کیوں اکتفا کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مناسب یہی تھا کہ اپنے حال کا اظہار کرنے پر اکتفا جانا کیونکہ کلامِ بلیغ وہی ہوتا ہے جو اقتضائے حال کے مطابق ہو۔

یہاں پر تمام کا اقتضار گناہ کا اعتراف اور اس بات کا اظہار ہے کہ جو مصیبت منجھ پر نازل ہوئی ہے، اس کا موجب میرا اپنا گناہ ہے۔ سببِ مغفرت ضمناً مطلوب ہے اس لیے لفظِ سوال سے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

رفع تکلیف کا حقیقی ذریعہ حضرت یونس علیہ السلام جانتے تھے کہ وہ خطا کار اور ستم گار ہیں اور اس تمام مصیبت کی علت حقیقی ان کا اپنا گناہ اور تقصیر ہے۔ اس لیے ظلم اور گناہ کا اعتراف کرنا اور اس پر ندامت کا اظہار کرنا ہی رفع سبب کا موجب ہوگا جو زوالِ مصیبت اور رفع تکلیف کا حقیقی علاج ہے۔ اس کی مزید توضیح لفظ **سُبْحَانَكَ** کی تشریح ہو سکتی ہے۔

عظمتِ الہی کا اعتراف **سُبْحَانَكَ** میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ (ہر ایک عیب اور نقص سے پاک اور مبرا ہونا) اور اس کی عظمت کا اعتراف ہے بلحاظ مقام کے اس کی تنزیہ کا یہ مفہوم ہے کہ اس کی ذاتِ پاک اس سے منزہ اور برتر ہے کہ کسی پر ظلم کرے یا بغیر

کسی گناہ اور قصور کے کسی پر عصبیت اور عذاب نازل فرمائے۔ قائل اس بات پر زور دیتا ہے کہ خدا یا تو پاک اور بے عیب ہے اس بات سے کہ بغیر کسی جرم اور قصور کے مجھ پر ظلم کرے اور عذاب میں مبتلا کرے، بلکہ میں خود ہی ظالم تھا جس نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے قرآن کریم نے اس حقیقت کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے:

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا
الْأَنفُسُ لَهُمْ يَظْلِمُونَ

وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ
ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ

وَمَا ظَلَمْنَا هُمْ وَلَكِنْ
كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ
شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ
أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ

حضرت آدم علیہ السلام بھی اپنی دعائیں اسی حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں:-

مَا بَشَأَ ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِنْ
لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا

لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ

(الاعراف: ۲۳)

استفتاح نماز کی دعا صحیح مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفتح (آغاز نماز) کی دعائیں الفاظ میں منقول ہے:-

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ۝ اللَّهُ أَكْبَرُ ۝ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ۝ اللَّهُ أَكْبَرُ ۝

اللَّهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَنْتَ مَرِيٌّ وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِي وَاعْتَمَسْتُ بِذَنْبِي فَاعْفُزْ لِي ذُنُوبِي جَمِيعًا فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ

الہی! تو ہی شہنشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو ہی میرا پروردگار ہے اور میں تیرا غلام ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں پس تو میرے تمام گناہ بخش دے، بیشک تیرے سوا گناہ بخشنے والا کوئی نہیں ہے۔

سید الاستغفار کی فضیلت | صحیح بخاری میں سید الاستغفار کی یہ عبارت آئی ہے کہ آدمی یوں کہے۔

اللَّهُمَّ أَنْتَ مَرِيٌّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتَ أَبُوءُ لَكَ بِعِمَّتِكَ عَلَيَّ وَالْبُغْمُ بِذَنْبِي فَاعْفُزْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ

بار خدایا! تو میرا رب ہے۔ سوائے تیرے اور کوئی معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور جہاں تک مجھ سے ہو سکا میں تیرے عہد و پیمانہ اور وعدے پر قائم رہا ہوں، جو برائیاں میں نے کیں ان کے شر سے تجھی سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں اپنے اوپر تیری نعمتوں کا اعتراف کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی مجھے اقرار ہے تے خدا تو مجھے بخش دے، بیشک تیرے سوا اور کوئی نہیں جو گناہوں کا بخشنے والا ہو۔

اس کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ۔

”جس شخص نے صبح کے وقت اس کو پڑھا، بشرطیکہ اسے ان الفاظ پر یقین ہو اور پھر وہ اسی دن مر جائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس شخص نے اس کو شام کے وقت پڑھا بشرطیکہ اس کو ان الفاظ پر یقین ہو اور پھر وہ اس رات میں مر جائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔“

عدل اور احسان خداوندی کا اعتراف | الغرض آدمی کو یہ سمجھنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عدل اور احسان کا اعتراف کرے کیونکہ وہ کسی پر بھی ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا اور کسی کو بغیر اس کے اپنے کیے ہوئے جرم کی سزا نہیں دیتا۔ اس کے احسانات اور بندہ نوازیوں کا سلسلہ غیر منقطع ہے اس کی طرف سے جو عقوبت اور عذاب نازل ہو وہ عین عدل ہے اور اگر وہ کسی کو اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمائے تو یہ اس کا احسان اور فضل ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الشَّامِلُ كَالْمَفْهُومِ

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے یہ معنی ہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنی الوہیت کے اوصاف میں یکتا ہے، اس کا علم ہر ایک چیز پر محیط ہے، اس کی قدرت ہر ایک بات کو شامل ہے، اس کی رحمت بے پایاں ہے اور اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ اس کی الوہیت کے اعتراف میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ اپنے بندوں پر سزا تو اپنے احسانات نازل فرماتا ہے کیونکہ اس کی الوہیت کے یہ معنی ہیں کہ وہ عبادت کا مستحق ہے جس کا بالفاظ دیگر یہ مفہوم ہے کہ وہ ان تمام صفات کاملہ کے ساتھ موصوفی ہے جن کی وجہ سے وہ اپنے بندوں کے لیے انتہا درجہ کا محبوب ہے اور ان کے دلوں میں اس کی بے حد عظمت ہے اور وہ اس کے سامنے بے انتہا خضوع کرنے میں عبادت کے مفہوم میں یہ دونوں باتیں شامل ہیں۔ انتہا درجہ کی محبت اور انتہا درجہ

کا ضمیمہ

لفظِ سُبْحَانَكَ کا مفہوم

سُبْحَانَكَ کے یہ معنی ہیں کہ وہ ظلم اور دیگر نقائص و عیوب سے پاک اور منزہ ہونے کے علاوہ جلالت اور عظمت کا مستحق ہے، کیونکہ اگر تسبیح کا سادہ مفہوم اس اوقات پاک و نقائص اور عیوب سے مبرا ہونا ہے جیسا کہ مرسل حدیثوں میں موسیٰ بن طلحہ کی ایک حدیث میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

فِي قَوْلِ الْعَبْدِ سُبْحَانَ اللَّهِ | آدمی کے سبحان اللہ کہنے کا مفہوم ہر
اللَّهُ أَنَّهُ بَرَاءَةٌ لِلَّهِ مِنَ | برائی سے اللہ تعالیٰ کی برائت کا اظہار
السُّقُوءِ | ہے۔

لیکن نقطہ نفی، کبھی مدح نہیں تصور کی جاتی ہے، جب تک اس کے ضمن میں کمال کا اثبات نہ ہو، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ تسبیح کے مفہوم میں اس کی عظمت اور جلال کا مفہوم بھی شامل ہے۔ قرآن کریم میں عموماً جہاں کہیں اللہ تعالیٰ سے کسی عیب اور نقض کی نفی کی گئی ہے، ساتھ ہی اس کی صفاتِ کاملہ اور اس کے اسماءِ حسنہ کا بھی ذکر ہے، مثلاً ارشاد ہے:

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ | اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں
لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ | وہی زندہ اور تمام کائنات کو قائم رکھنے
والا ہے اسے نہ کبھی اونگھ آتی ہے اور
ذہنیں۔

(البقرہ: ۲۵۵)

گویا اونگھ اور نیند کی نفی اس کی حیات اور قیومیت کے کمال کا موجب ہے۔
دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَأَلْقَيْنَا خُلُقُمَا السَّمَوَاتِ وَ | بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین کو

الْأَرْضِ صَوَّ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِي ۚ اور ان کی درمیانی مخلوقات کو چھ دن
بِسْمَةِ آيَاتِهِمْ ۚ وَ مَا مَسَّنَا مِنْ ۚ میں پیدا کیا اور ہمیں کچھ بھی تکانے
لَعُوبٍ ۚ (ق: ۳۰) محسوس نہ ہوتی۔

پس معلوم ہوا کہ تکان کا محسوس نہ ہونا اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے۔

صَدْرٍ ظَلَمٍ كَاعْدَمِ امْكَانٍ | الغرض حضرت یونس علیہ السلام کے قول "سُبْحَانَكَ" میں
اللہ تعالیٰ سے ظلم کی نفی کی گئی ہے اور ساقی ہی اس کی عظمت کا اثبات ہے جو نفی ظلم
کے لیے بمنزلہ دلیل کے ہے کیونکہ جو شخص ظلم کرتا ہے یا تو وہ اس کا محتاج ہوتا ہے یعنی
اس کا مقصد بغیر ظلم کے پورا نہیں ہوتا اور یا اس کا باعث اس کی جہالت ہوتی ہے،
لیکن اللہ تعالیٰ غنی و بے نیاز ہے اور اس کا علم ہر ایک چیز پر محیط ہے اس لیے اس
سے ظلم کا صادر ہونا ممکن نہیں۔

وَ مَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ ۚ اور یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ
(العنکبوت: ۴۰) کسی پر ظلم کرے۔



دعائے یونس علیہ السلام کی فضیلت

افضل الکلام | حضرت یونس علیہ السلام کی اس دعا کی ایک فضیلت یہ ہے کہ اس میں تسبیح و تہلیل کو جمع کیا گیا ہے اور حدیث صحیح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ قرآن کریم کے بعد بہترین یہ چار کلمات ہیں :-

سُبْحَانَ اللَّهِ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، اللَّهُ أَكْبَرُ

لیکن تم جانتے ہو کہ تسبیح کے ساتھ تہجد گویا لازم ہے۔ اسی طرح تہلیل اور تحمیر کا ساتھ ہے نیز ایک صحیح روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل کلام کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

أَفْضَلُ الْكَلَامِ مَا اصْطَفَى اللَّهُ لِمَلَأَكَتَهُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ

افضل کلام وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لیے پسند فرمایا ہے یعنی وہ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ ہے۔

صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ:

كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ

دو ایسے کلمے ہیں جو زبان پر نہایت ہلکے (آسان) ہیں مگر قیامت کو ترزو میں بہت وزنی ہوں گے اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ کو بہت پیارے ہیں (وہ یہ ہیں) سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ

ان دونوں کلمات میں خدا کی تسبیح کو اس کی حمد اور اس کی عظمت کے ساتھ تلا یا گیا ہو

ہم پہلے کہ چکے ہیں کہ تسبیح کے مفہوم میں نقائص اور عیوب کی نفی کے علاوہ عظمت و جلال اور صفات کمال کا بھی اثبات ہے۔

قرآن کریم میں ایک جگہ حکم دیا گیا ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ | اپنے پروردگار کی حمد بیان کرو۔

فرشتوں نے جواب دیا تھا،

وَاَنحَنُّ نَسْبِحُ بِحَمْدِكَ يَا خَدَايَا اِهْم تيرى حمد و تقدیس کے گیت
نُقَدِّسُ لَكَ (البقرہ: ۳۰) | گاتے ہیں۔

محامد ذات کی محبوبیت | گویا جس طرح خدا کی حمد و تعظیم کو یہاں کجا بیان کیا ہے۔ اسی طرح بعض دوسری جگہوں میں اجلال و اکرام کی صفت کو جمع کیا ہے۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ عظمت اور کبریائی کے ساتھ موصوف ہونے کے باوجود اپنے محامد صفات کی وجہ سے اپنے بندوں کو نہایت ہی محبوب ہے۔ ذوالجلال والاکرام کے یہی معنی ہیں اور عبادت کی بھی یہی حقیقت ہے کہ مجبود کی عظمت اس کی محبت کے ساتھ ملی جلی ہوتی ہے جیسے کہ ہم پہلے اس کی توضیح کر چکے ہیں۔

امام رازمیؒ کا نظریہ | امام فخرالدین رازمیؒ اور بعض دوسرے مفسرین کا قول ہے کہ جلال صفت سلبیہ ہے اور اکرام صفت ثبوتیہ، لیکن یہ ان کی غلطی ہے۔ تحقیقی بات وہ ہے جو ہم نے بیان کی ہے کہ یہ دونوں صفات ثبوتیہ ہیں اور صفات کمال کا اثبات بھی نفوس نقائص کا موجب ہے جیسا کہ اس کی تشریح صفات کمال کے اثبات کے مترادف ہے اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ ان کے مفہوم میں نقائص اور عیوب کی نفی بھی پائی جاتی ہے اس لیے کہ وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس سے محبت کی جائے اور وہی عظمت و تعظیم کے لائق ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لہ النحل: ۹۹

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ
(لقمان: ۲۶)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بے پرواہ اور ستورہ
صفات ہے۔

اور سلیمان علیہ السلام کا قول:-

فَاتِّبْ مَرَاتِي غَنِيًّا كَمَا يَسْمُو
النمل: ۴۰

بیشک میرا پروردگار ہی بے پرواہ
اور کریم ہے۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ
(التغابن: ۱۱)

اسی کے لیے باذنتہا ہی ہے اور اسی
کے لیے تعریف ہے۔

کیونکہ بجزرت صاحب کمال و عظمت ایسے ہوتے ہیں جو حمد کے لائق نہیں ہوتے، بلکہ
قابلِ مذمت ہوتے ہیں اور بجزرت محبوب ایسے ہوتے ہیں جنہیں اس لحاظ سے کوئی عظمت
نصیب نہیں ہوتی، بلکہ نہایت عاجز، ذلیل اور ضعیف ترین انسان شمار کیے جاتے ہیں،
اول الذکر سے محبت نہیں کی جاتی، بلکہ اس کے رعب و اب سے ڈرا جاتا ہے، جو لائق
محبت نہیں۔

عظمت و کبریائی کا اظہار | کمال محبت اس وقت حاصل ہوتا ہے جب یہ دونوں وصفا
جمع ہو جائیں جیسا کہ آثار صحابہ میں ہے:

إِنَّ الْمُؤْمِنَ رَزَقَ حَلَاوَةً
وَمَعَابَةً

مومن و مہنے جو خدا کے ڈر اور حلاوت
ایمان سے شاد کام ہو۔

نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں فرمایا:

مَنْ مَرَّ أَوْ بَدِيْعَةً هَابَةً
مَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةَ أَحَبَّ

جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر ہر طور
پر دیکھا وہ مرعوب ہو گیا اور جس نے آپ
سے میل جول کیا، اس نے محبوب جانا

اسی وجہ سے تسبیح کو تمجید کے ساتھ اور تہلیل کو تجحیر کے ساتھ وابستہ کر دیا، جیسے اذان کے الفاظ میں خدا کی کبریائی بیان کرنے کے بعد اس کی الوہیت کا اعلان ہے۔

اور چران ہر دو کلمات کی بھی دو قسمیں ہیں، جب ایک لے استعمال ہوتے ہیں تو دوسرے کے مفہوم کو بھی ضمناً شامل ہوتے ہیں کیونکہ یہ دونوں کلمے عظمتِ الہی کو ظاہر کرتے اور تمجیدِ الہی کا اثبات کرتے ہیں اور یہی بات لازماً الوہیتِ الہی ہے۔ کیونکہ عبادتِ اس کی کی جاتی ہے جس سے بدرجہ کمال محبت ہو۔ اسی طرح الْحَمْدُ لِلَّهِ مفتاح الخطاب ہے اور سُبْحَانَ اللَّهِ عظمتِ الہی کا ثبوت ہے اسی لیے فرمایا:

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ | اپنے بزرگ و بڑے پروردگار کی تسبیح
(الواقعة: آخر)

الغرض اللہ تعالیٰ باوجود اتنا درجہ کی عظمت و کبریائی کے بدرجہ غایت محبوب ہے اور اس لیے وہی عبادت کا مستحق ہے کیونکہ دوسروں میں یہ دونوں اوصاف ساتھ ساتھ بدرجہ اتم نہیں پائے جاتے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ اور الْحَمْدُ لِلَّهِ انہی اوصاف کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

اسی طرح کلماتِ اربعہ میں سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں اللہ تعالیٰ کے لیے تمام محامد اور محاسن کا اثبات ہے کیونکہ اس کی الوہیت تمام محامد صفات کی مقتضی ہے اللَّهُ أَكْبَرُ میں اس کی عظمت کا اظہار ہے۔ عظمت و کبریائی دونوں کے معنی بڑائی کے ہیں، لیکن کبریائی کا مفہوم نسبتاً کامل تر ہے اور اس لیے ناز اور ارفان و اتانت کے الفاظ مشرور اور دیگر ادعیہ مانورہ میں جا بجا اللہ تعالیٰ کو کبریائی کے ساتھ موصوف ظاہر کیا گیا ہے۔

ایک صحیح روایت سے یہ حدیث قدسی منقول ہے کہ:-

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہبند ہے جو کوئی ان صفات میں میرے ساتھ جھگڑا کرے گا، دلچنی اپنے

آپ کو ان صفات سے موصوف ظاہر کرنے کی کوشش کرے گا میں
اس کو عذاب دوں گا“

اور ایک روایت میں ہے کہ:

”میں اس کو توڑ ڈالوں گا“

ظاہر ہے کہ عرب کے نزدیک چادر کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ لہذا عبارت
مذکورہ میں کبریائی کو چادر سے تعبیر کرنا ایک پیرایہ بیان ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ
کبریائی کے مفہوم میں بڑائی کا مفہوم بہت زیادہ ہے۔

اسمائے حسنہ اور کلمات چہارگانہ | ان کلمات چہارگانہ میں سے جب ہر ایک کلمہ
الگ استعمال ہو تو وہ دوسرے کلمات کے مفہوم پر مشتمل ہوتا ہے اور اگر دوسرے کلمات
کے ساتھ مقرون ہو کر استعمال ہو تو پھر ہر ایک کلمہ اپنے خاص مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔
اس کی مثال یہ ہے کہ اسماءِ حسنہ میں سے ہر ایک اسم دوسرے اسم کے مفہوم پر
ضمناً مشتمل ہوتا ہے کیونکہ ہر ایک اسم میں ذات کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس کی ذات
تمام صفات کمال کی جامع ہے لیکن اگر ساتھ ساتھ دو یا تین یا زیادہ اسمائے حسنہ
مذکورہ ہوں تو ہر ایک اسم اپنا خاص مفہوم ظاہر کرتا ہے۔

مدحت طرازی بدرجہ غایت | اس بنا پر حضرت یونس علیہ السلام کا یہ قول کہ
لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ كَلِمَاتِ چہارگانہ کے معانی پر مشتمل ہے جن کو قرآن کریم
کے بعد دوسرے درجہ پر افضل الکلام بتایا گیا ہے اور اس کے ضمن میں تمام اسمائے حسنہ
اور صفاتِ علیا کا مفہوم شامل ہے۔ اس لیے یہ غایت درجہ کی مدح ہے۔

اظہارِ حال و اعترافِ تصور | زِيْنِي كُنْتُ مِنَ الْخٰلِيْفِيْنَ میں اپنے حال کا اظہار
اور گناہ اور قصور کا تذکرہ اعتراف ہے۔ یہ ایک ایسا اعتراف ہے جو ہر ایک فرد بشر
کے لیے ناگزیر ہے خصوصاً جب کہ وہ اپنے پروردگار کے ساتھ مناجات میں مشغول ہو

بروایت صحیح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول منقول ہے کہ:
 لَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ أَنْ يَقُولَ كَسِيَ ثَمْرًا كَمَا سَقَى النَّاسَ
 أَنَاخِيئُ مِنْ يُونُسَ بْنِ يُونُسَ مَتِيَّ
 ہوں۔
 مَنْ قَالَ أَنَاخِيئُ مِنْ
 يُونُسَ بْنِ مَتِيٍّ فَقَدْ
 كَذَبَ
 میں جھوٹا ہے۔

ایک دلچسپ توجیہ | اس حدیث شریف کا مخلص یہ ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو اس سے
 بالاتر سمجھتا ہے کہ وہ یونس علیہ السلام کی طرح صبر و صبر اور صاف لفظوں میں اپنے گناہ کا اعتراف
 کرے، بیشک وہ جھوٹا ہے اس لیے بزرگان دین میں سے کسی نے بھی اپنے آپ کو اس
 مقام سے برمی قرار نہیں دیا، بلکہ وہی کہتے رہے جو ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے
 کہا، ان کے پیشوا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔



حِکْمَتٌ وَخَاصِیَّتٌ

کتاب و سنت
کے روشنی میں

دُعَاۃُ یونسَ عَلَیْہِ السَّلَام

سببِ ازالہِ مُصِیْبَتِ | اب رہا سال کا یہ قول لے کہ اس سے مصیبت دور ہونے میں کونسی حکمت ہے؟ آؤ ہم تمہیں بتائیں کہ اس میں کونسی حکمت ہے مصیبت کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی دور نہیں کر سکتا۔ کلامِ پاک میں ہے:

وَإِنْ يَسْتَسْكِنُ اللَّهُ بِمَنْزِلٍ
فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ
يُرِيدُ بِخَيْرٍ فَلَا مَآدُ
لِفَضْلِهِ

اگر اللہ تعالیٰ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے
تو سوائے اس کے اور کوئی بھی نہیں،
جو اسے دور کر سکے اور اگر وہ تم کو بھلائی
پہنچانا چاہے تو کوئی بھی اس کے فضل
کو روکنے والا نہیں۔ (یونس، ۱۰۴)

یہ بھی ایک سہرا ہے کہ ہر ایک تکلیف اور مصیبت کا حقیقی سبب انسان کے اپنے گناہ ہوتے ہیں۔ فرمایا:

یہاں سے سوال نمبر ۲ کا جواب شروع ہوتا ہے (ناشر)

دَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ نِّمًا
 كَتَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنَّا
 كِتَابٌ ۝

تم کو جو کچھ بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہارے
 اپنے کیے ہوئے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے
 اور اللہ تو بہت سے گناہ بخش بھی دیتا
 ہے (اور ان پر مواخذہ نہیں کرتا)

(شوراء: ۳۰)

اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنا ازالہ
 سبب کا حکم رکھنا ہے۔ فرمایا:

وَ مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ
 وَ أَنْتَ فِيهِمْ وَ مَا كَانَ
 اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ
 يَسْتَعْجِلُونَ ۝

یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ آپ ان میں موجود
 ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے
 اور یہ بھی ناممکن ہے کہ ان کو بخشش طلب
 کرنے پر عذاب میں مبتلا کر دیا جائے

پس اس بات سے خبردار ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ اپنے گناہوں سے بخشش مانگنے والے
 کو عذاب نہیں کرے گا۔

ہر تنگی اور اندیشے سے نجات

مَنْ أَكْثَرَ الْأُمِّ مَتِيعًا جَعَلَ
 اللَّهُ لَهُ فِي كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا
 مِنْ كُلِّ ضَيْقٍ مَّخْرَجًا وَ
 مَرَّةً تَهَى مِنْ حَيْثُ لَا
 يَحْتَسِبُ

جو شخص کثرت سے اپنے گناہوں کے
 لیے مغفرت طلب کرتا رہتا ہے، اللہ
 تعالیٰ اس کو ہر اندیشے سے نجات
 بخشتا ہے اور ہر ایک تنگی سے نکلنے
 کا اس کے لیے راستہ بنا دیتا ہے اور
 ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں
 سے وہم و گمان بھی نہ ہو۔

اب ہمیں دیکھنا رہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کے قول میں کہاں تک ان اصول

کی پابندی اور ان پر عمل کیا گیا ہے؟
خیر و برکت کا سرچشمہ | **أَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ** میں توحید الوہیت کا اقرار اور **إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** میں اپنے گناہ اور قصور کا اعتراف ہے جس کے ضمن میں طلب مغفرت پائی جاتی ہے اور تم جانتے ہو کہ تمام خیر و برکت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کی مشیت ہے جو چاہے سو کرے اور جس چیز کو وہ نہ چاہے اس کا ہونا محال اور ناممکن ہے لیکن اس خیر و برکت کے نزول سے آدمی کے اپنے گناہ مانع ہوتے ہیں اس لیے توحید الوہیت کی شہادت انسان کے لیے خیر کا دروازہ کھول دیتی ہے اور استغفار سے شر کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے اپنی امید و بیم کو وابستہ رکھے اور اس بات کا خوف کبھی اس کے دل میں پیدا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس پر ظلم کرے گا۔
 (العیاذ باللہ) ارشاد ہوتا ہے:

<p>بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ خود اپنے آپ کو ظلم کرتے ہیں۔</p>	<p>إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا قَلِيلًا لَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ</p>
---	---

بلکہ اسے اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ اس کے اپنے گناہ اس کے لیے عذاب کا موجب
 نہ بن جائیں۔

حضرت علیؑ کا قول | حضرت علیؑ کا قول ہے کہ

<p>انسان کو صرف اپنے خدا ہی امید و بیم کی لو لگانا چاہیے اور فقط اپنے گناہوں سے اسے ڈرنا چاہیے۔</p>	<p>لَا يَرْجُونَ عَبْدًا إِلَّا رَبَّهُ وَلَا يَخَافُونَ إِلَّا ذَنْبَهُ</p>
---	---

امید و بیم کا طلبا و ماوے | ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، آپ نے اس سے دریافت فرمایا:

کیفَ تَجِدُكَ؟
اس نے جواب میں عرض کیا کہ:-

أَمَّا جُنَّ اللَّهُ مَخْشَتَهُ وَآخَافُ
ذُنُوبِي

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امید وار ہوں،
اور اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا:

مَا اجْتَمَعَانِي قَلْبُ عَبْدٍ
مِثْلَ هَذَا الْمُؤْمِنِ إِلَّا
أَعْطَاهُ اللَّهُ مَا يَنْجُو أَوْ
أَمَنَهُ وَمَا يَخَافُ

ایسے موقع پر جس مومن کے دل میں
خوف ورجاء جمع ہوں یقیناً اللہ تعالیٰ
اس کی امید برائے گا اور جس چیز سے
وہ ڈرتا ہے اس سے اس کو بے غم کرویگا۔

بہر حال انسان کی امید صرف اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہونی چاہیے کسی دوسری مخلوق
کے ساتھ نہ ہو حتیٰ کہ اپنی قوت اور اپنے عمل کے ساتھ بھی اپنی امیدوں کو وابستہ نہ کرے
کیونکہ ایسا کرنا شرک ہے جس کو اللہ تعالیٰ کبھی پسند نہیں فرماتا:

موجب اثرات اسباب | اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے حصول
کے لیے اسباب مقرر فرمائے ہیں لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اسباب بذات خود کچھ بھی
مؤثر نہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے اثر کو باطل فرما دے۔ فرمایا:

يُنْهَوُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُنْثِتُ
اللَّهُ تَعَالَى جَوْجًا تَسْتَسْبِيهِ سَادًا يَتَسْبِيهِ

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے ٹھنڈا کرتا ہے اور
جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔

(الرعد: ۳۹)

اسباب عدم ظہور نتائج | نیز بعض یا اکثر اوقات موانع اور عوارض کی وجہ سے اسباب
کے عمل میں لائے جانے کے باوجود مطلوبہ نتائج ظہور میں نہیں آتے اور ان عوارض
اور عوائق و موانع کا دور کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اسی بنا پر کسی بزرگ
نے کہا ہے کہ:-

آسباب پر نظر رکھنا شرک ہے لیکن اسباب سے بالکل قطع نظر کر لینا اور ان پر مطلق التفات نہ کرنا بھی عقل اور شرع کے خلاف ہے۔
کلام پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ○ جب تم دوسرے مشاغل سے فارغ
وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَانصَبْ ○ ہو جایا کرو تو تکلیف برداشت کرو
اور صرف اپنے پروردگار کی طرف
راغب ہو کرو۔

(الشرح: ۸۴)

اس آیت میں اس بات کا حکم ہے کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رغبت رکھنا چاہیے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَعَلَىٰ اللَّهِ فَتَوَكَّلْ أَيْنَ ○ تم اگر مومن ہو تو صرف اللہ تعالیٰ
پر بھروسہ رکھو۔
كُنْتُمْ مَشِيئِينَ ○

(المائدہ: ۲۳)



کامرائی کی حقیقی شاہراہ

توکل علی اللہ اور شرک انسان کا بھروسہ ہمیشہ اس چیز پر ہوتا ہے جس سے اس کی امیدیں وابستہ ہوں۔ اس لیے جس شخص کی امیدیں اپنے زور بازو، اپنے علم و عمل، اپنے حال یا اپنے دوست، اپنی قرابت یا اپنے مال و دولت، اپنے پیر و استاد یا بادشاہ کے ساتھ وابستہ ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ سے غافل ہو تو سمجھ لو کہ وہ ان چیزوں پر بھروسہ رکھتا ہے اور اس کا توکل ان چیزوں پر ہے لیکن یہ شرک ہے۔ فرمایا:

جو شخص اللہ سے شکر کرتا ہے تو اس	وَمَنْ يَشْكُرْ لِلَّهِ فَاكُنَّمَا
کی مثال ایسی ہے جیسے وہ آسمان سے	حَقٌّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ
گر کر مر گیا اور پرندے اس کا گوشت	الطَّيْرِ أَوْ تَهْوِي بِهِ إِلَيْهِ
نہتے ہیں یا ہوا اسے دور دراز مقام پر	فِي مَكَانٍ سَجِيئٍ
اڑا کر لے جائے۔	(الحج:)

مخلوق پر بھروسہ جو شخص کسی مخلوق سے اپنی امیدوں کو وابستہ کرتا ہے، یا حصول مقصد کے لیے اس پر بھروسہ رکھتا ہے اس کا انجام ناکامی ہوگا اور جلد یا بدیر اس کی یہ غلط فہمی دور ہو کر رہے گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں	وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ
کو اس کا شریک بناتے اور ان سے	مِنْ دُونِ اللَّهِ أَسَدًا
خدا کی طرح محبت رکھتے ہیں۔ لیکن	يُحْسِنُونَ كِمَاتِ اللَّهِ

جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت زیادہ سرشار ہیں اور اگر یہ ظالم لوگ اس حالت کو دیکھ لیں جبکہ عذاب ان کو سامنے نظر آجائے گا تو انہیں اور زیادہ یقین ہو جائے گا کہ تمام تر طاقت اللہ کے لیے مخصوص ہے اور بے شک اللہ کا عذاب نہایت سخت ہے۔ یہ وہ حالت ہے جبکہ پیشوا اپنے مریدوں سے بیزار یا کانٹھا کر رہیں گے اور عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے ہوگا اور جن اسباب پر ان کو بھروسہ تھا وہ سب منقطع ہو جائیں گے۔ پیروی کرنے والے مرید کہیں گے، کاش! اگر ہمارے لیے دنیا میں دوبارہ لوٹ جانا میسر آجائے تو ہم بھی ان پیشواؤں سے اسی طرح بیزار ہو جائیں جس طرح وہ ہم سے بیزار ہوئے، اس طرح اللہ ان کے اعمال بڑا نہیں دکھاتا ہے کہ ان پر حسرت طاری ہو، بہر حال انہیں دوزخ کی آگ سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

الَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا
لِلَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا
أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ
أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ جَبِيحًا
وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ
إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا
مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَالَّذِينَ
الْعَذَابِ وَتَقَطَّعَتْ
بِهِمُ الْأَسْبَابُ وَقَالَ
الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّا
كُنَّا فَتَتَّبَعْنَا أَتَّبَعْنَا
تَبَرَّأْنَا أَمْ نَتَّبَعْنَا
مِنْ يَوْمِ يَوْمِ اللَّهُ
أَعْمَالَ يَوْمِ حَسَدًا
بَيْنَ عَلَيْهِمْ وَمَا
لَهُمْ بِخَارٍ جِئِينَ مِنَ
النَّارِ

(البقرہ: ۱۶۵ تا ۱۶۷)

اور فرمایا:

قُلْ اَدْعُوا الَّذِيْنَ نَعْتُمُّ
 مِنْ دُنْوَهِ فَلَا يَمْلِكُوْنَ
 كَشْفَ الضَّرِّ عَنْكُمْ وَلَا
 تَحْوِيْلًا ۝ اُوْلٰئِكَ الَّذِيْنَ
 يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى يَوْمِهِمْ
 اَلْوَسِيْلَةَ اِيْتُهُمْ اَقْرَبُ
 يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ
 عَذَابَهٗ طٰرِآتَ عَذَابِ مِهْرٰتِكَ
 كَانَ مَخْدُوْمًا ۝

(اسے نبی! مشرکوں سے) فرمادیکھے، اللہ کے
 سوا جن کو تم خدا سمجھتے ہو ان کو بلاؤ۔ وہ تم
 سے مصیبت دور کرنے کی قدرت نہیں
 رکھتے اور نہ ہی بدلہ دے سکتے ہیں،
 وہ تو خود بھی اپنے پروردگار کو بلا تے اور
 اس کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ
 ان میں سے کون اس سے زیادہ قریب ہے تا
 ہے۔ اس کی رحمت کے امیدوار اور
 اس کے عذاب سے خائف رہتے
 ہیں بلاشبہ تیرے پروردگار کا عذاب
 ڈرنے کی چیز ہے۔

(نبی اسرائیل: ۵۶، ۵۷)

مشرک مرعوب اور مومن مامون
 ڈرنا اور ان کی امید و بیم مخلوق سے وابستہ ہوتی ہے اور اس لیے وہ ہمیشہ مرعوب رہتے
 ہیں۔ کلام پاک میں ہے:

سَمَلِقُوْا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ
 كَفَرُوْا ۗ اَللّٰهُ عَبِيْهُمۡ
 بِمَا شَرَكُوْا
 بِاَللّٰهِ (آل عمران: ۱۵۱)

ہم ان کافروں کے دلوں میں اس
 لیے رعب ڈال دیں گے کہ انہوں نے
 اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا دیا۔

اس کے برعکاس جن کی توحید خالص ہے وہ امن میں رہتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَّلَمْ يَلْبِسُوْا
 اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُوْلٰٓئِكَ
 جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے
 ایمان کو ظلم کا جامہ نہیں پہنایا، ان کے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا سُوءًا وَعَدَاوَةً
 لِيَلْهِنُوا أَصْوَابَ آلِهَتِهِمْ وَلِيَأْخُذُوا
 بِأَفْوَاهِهِمْ بِالْحُكْمِ فَذُكِّرُوا بِالْحُكْمِ
 وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْعَنُ اللَّهُ عَذَابًا
 مُّهِينًا (المائدہ: ۸۲)

ہدایت یافتہ ہیں۔

اس آیت میں لفظ "ظلم" کی تفسیر "شُرک" کے ساتھ کی ہے۔ نیز ایک صحیح اور مرفوع

حدیث میں منقول ہے جو ابن مسعود سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام متردد ہوئے کہ کون ہے جو اپنے نفس پر ظلم نہیں کرتا؟ تو آپ نے فرمایا: إِنَّ هَذَا الشِّرْكَ | یعنی اس سے مراد شرک ہے۔

اور اس کی تائید میں آپ نے قرآن شریف کی یہ آیت پڑھی اور فرمایا کیا تم نے یہ نہیں سنا: إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ | شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے۔

(لقمان: ۳۲)

اس نقطہ کو ملحوظ خاطر رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ اسباب کا ذکر فرماتے ہوئے اس بات کی تصریح فرماتا ہے کہ ان مشرکوں پر اعتماد نہ کیا جائے بلکہ ایک ایسا ن دہار کی یہ صفت ہونی چاہیے کہ اس کا تمام تر بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو۔

جنگ بدر اور اسباب فتح مندی | جنگ بدر میں ملائح کے نزول کا ذکر فرماتے ہوئے کلام پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ
 لَكُمْ وَلِتُحْطَمِينَ قُلُوبُكُمْ
 بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ
 عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ
 (آل عمران: ۱۲۶)

ملائح کا نزول فقط تم کو خوش کرنے کے لیے تھا اور یہ کہ تمہارے دل تسلی پذیر ہو جائیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ فتح مندی اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي بَدْرٍ
 إِذْ أَخْرَجْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا
 مِّنَ مَّقَادِسِ الَّذِينَ
 آمَنُوا فِى يَوْمِ ذِي قَعْدِ
 إِذِ اتَّخَذُوا الْمُشْرِكِينَ
 حُرُومًا بَيْنَ يَدَيْهِمْ
 وَيَخْفَىٰ عَلَىٰ سَمْعِهِمْ
 إِذْ نَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا
 مِنَ الْيَدِىۥمُ الَّذِينَ كَفَرُوا
 إِذْ كَانُوا فِي أَعْيُنِنَا
 فَوَضَعْنَا عَنُقَهُمُ الْيَدِىۥمُ
 يَوْمَ بَدْرٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ
 عَلِيمٌ (آل عمران: ۱۶۷-۱۷۵)

بے شک اللہ تعالیٰ نے تم کو بہت

سے میدان ہائے جنگ میں فتح مندی
 عنایت کی، اور جنگ حنین کے موقع
 پر بھی تم کو فتح مندی کا جب کہ تم اپنی
 کثرت پر نائل تھے لیکن تمہاری کثرت
 تمہارے ذرہ بھی کام نہ آئی اور زمین
 باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی،
 اور بالآخر تم بھاگ نکلے، ازاں بعد
 (جبکہ تم پر اسباب ظاہری کی حقیقت
 روشن ہو گئی) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول
 اور مومنوں پر تسلی نازل فرمائی اور ایسے
 لشکران کی مدد کیلئے بھیجے جن کو تم
 نہیں دیکھ سکتے تھے اور اس نے کافروں
 کو عذاب دیا اور یہی ان کی سزا ہے۔

مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ قَائِمًا
 حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبْتَكُمْ
 كَثْرَتِكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ
 شَيْئًا وَ مَاتَتْ عَلَيْكُمْ
 الْأَمْرُ مِنْ بِنَانٍ حَبَّتْ ثُمَّ
 وَ لَيْتُمْ مَذْهَبِينَ ۝ ثُمَّ
 أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى
 رَسُولِهِ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
 وَ أَنْزَلَ جُودًا لَمْ تَدْرُوهَا
 وَ عَذَابَ الَّذِينَ كَفَرُوا
 وَ ذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝

(التوبة: ۲۶)

تیسری جگہ فرمایا ہے:

اگر اللہ تعالیٰ تم کو فتح مندی بنا چاہے
 تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر
 وہ تمہاری مدد چھوڑ دے تو پھر کون
 ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا
 اور مومنوں کو تو صرف اللہ تعالیٰ پر
 بھروسہ رکھنا چاہیے۔

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا
 غَالِبَ لَكُمْ وَ إِنْ يَخْذُكُمُ
 اللَّهُ فَذَٰلِكُمْ يُنْصَرُكُمْ
 مِنَ بَعْدِهِ وَ عَلَى اللَّهِ
 فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝
 (آل عمران: ۱۶۰)

لے یہ اس بات کی تصریح ہے کہ تم کو فتح مندی غیر مرنے والے سے حاصل ہوتی ہے۔

موازنہ صبر اور توکل

امید و بیم بھی سوال کی ایک قسم ہے | ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دعا کی دو قسمیں ہیں ایک دعا بمعنی عبادت ہے اور دوسری دعا بمعنی سوال اور دعا کی دونوں قسمیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں جن کسی نے کسی دوسری ہستی کو حاجت رکھا کر دانا تو وہ ذلیل و خوار ہو گیا اور چونکہ کسی سے اپنی امید کو وابستہ کرنا بھی سوال کی ایک قسم ہے اس لیے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ اسے چاہیے کہ کسی دوسرے سے سوال نہ کرے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا آتَاكَ مِنْ هَذَا الْمَالِ | جو مال تم کو ایسی حالت میں ملے کہ تم نے
وَ أَنْتَ غَيْرُ سَائِلٍ وَلَا | نہ تو سوال کیا ہو اور نہ تم اس کے نگران
مُشْرِبٍ فَخُذْ لَكَ مَا لَا | رہے ہو، اس مال کو لے لیا کرو اور اگر
تَشْتَهُ نَفْسَكَ | ایسا نہیں تو مت لو۔

نگران بہنے کے یہ معنی ہیں کہ آدمی اپنے دل میں اس مال کے مل جانے کا خواہاں ہو اور اس کی توقع رکھتا ہو۔

ابوسعید خدری کی روایت | صحیحین میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

ہے کہ ہم ایک مرتبہ بھوک کی مصیبت میں مبتلا ہوئے اور میں سوال کرنے کے ارادے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ خطبہ میں مشغول تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ :-

یا ایھا الناس و اللہ مہم ایکن	اسے لوگو! خدا کی قسم اگر ہمارے پاس
عندنا من خیر فلن ندخرہ	مال موجود ہوگا تو میں ہرگز تم کو اس سے
عنکم و انہ من یتسغن	محروم نہیں کروں گا اور بیشک جو
یغنی اللہ و من یتعفف	شخص بے نیازی اختیار کرتا ہے،
یعفی اللہ و من یتصبر	اللہ تعالیٰ اس کو بے نیاز کر دیتا ہے
یصبرہ اللہ و ما اعطی	اور جو شخص اس ذلت سے (بری رہنا
احد عطاہ خیرا و سح	چاہتا ہے اللہ اس کو بری رہنے کی
من الصبر	توفیق بخشنے گا اور جو شخص تکلیف برداشت
	کر کے صبر اختیار کرے گا اس میں صبر
	کا لکھ پیدا ہوگا اور صبر سے فراخ تر اور
	وسیع دہتر بخشش کسی کو نہیں دی گئی۔

استغناء یعنی بے نیازی کے یہ معنی ہیں کہ اپنے دل کو بھی کسی چیز کی توقع میں
تکڑا نہ رکھے اور اس کے حاصل کرنے کی خواہش ہی پیدا نہ ہو۔

استعفاف یعنی بری رہنا، یہ ہے کہ زبان سے سوال نہ کرے۔

امام احمد بن حنبل کا توکل ایسی وجہ ہے کہ جب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے توکل
کی حقیقت دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا:

قطع الاستشراف الی الخلق مخلوقات سے اپنی امید و بیم کو توڑ دینا۔
یعنی توکل یہ ہے کہ تمہارے دل میں بھی یہ خیال پیدا نہ ہو کہ کوئی تم کو کچھ دے گا، اس

کی دلیل کی بابت استفسار کیا گیا تو آپ نے فرمایا:-
 "جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کافروں نے آگ میں ڈالا اور

جبریل علیہ السلام نے آکر کہا،

هل لك من حاجة ؟ | آپ کو کسی چیز کی حاجت ہے ؟

حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا،

ما اليك ----- | تم سے مجھے کوئی حاجت نہیں۔"

ایسی روایات سے صاف اور واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو کسی نفع کی طلب میں یا کسی ضرر کے ارتداد میں اپنا دل سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی طرف متوجہ نہیں کرنا چاہیے۔ اسی بنا پر حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی دعا کو لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سے شروع کیا۔

ارشاد نبوی بروقت تکلیف | صحیح بخاری صحیح مسلم میں بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی مصیبت اور تکلیف کے پیش آنے پر فرمایا کرتے تھے:

بشک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،	لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْعَظِيمُ الْحَلِيمُ
وہ عظمت اور حلم کا خداوند ہے۔	بشک
اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی آسمانوں	لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ
اور زمین کا پروردگار ہے اور عزت	الْعَظِيمُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ
وہی عرش کا مالک ہے۔	السَّمَوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ
	وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ

ان الفاظ میں سراسر توحید الوہیت کا اظہار ہے اور یہ کہ مومن کی جملہ امیدیں اسی

وحدہ لا شریک کے ساتھ وابستہ ہیں (تبارک وتعالیٰ رب العالمین احسن الخالقین) یہ الفاظ بظاہر جملہ خبریہ ہیں لیکن ان کے ضمن میں طلب کے معنی پائے جاتے ہیں جیسا کہ بار بار اس کا بیان

اخلاص اور علوشان الوہیت

پابندی احکام و اطاعت | عام لوگ اگرچہ اپنی زبان سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتے اور توحید الوہیت کا اقرار کرتے ہیں لیکن علوم کے ساتھ اس کی حقیقت کا اعتراف کرنے کی نشان دہی نہیں ہے۔ کہاں توحید کا لازمی نتیجہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور اطاعت ہے۔ کلام مجید میں ہے:-

أَمْ آيَاتٍ مِّنَ اتَّخَذَ الْعَمَلُ
عَوَابَهُ أَنَا أَنْتَ تَكُومُ عَلَيَّ
وَ كَيْلًا ۝ أَمْ تَحَسَّبُ
أَنَّ أَكْثَرَ هُمْ يَسْمَعُونَ أَلَّا
يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا
كَآلِفُ نَعَامٍ بَلْ هُمْ أَصْلُ
سَيِّئًا ۝ (الفرقان: ۲۳، ۲۴)

ہوئے نفس کو محبوب و مٹھرانا | اس لیے جس کسی کی محبت اور شیفتگی اپنی خواہشاتِ نفسانی کے لیے ہو۔ اس نے یقیناً ہوائے نفس کو اپنا محبوب قرار دیا۔ اور یہی کیفیت مشرکوں کی ہے کہ جس چیز کو انہوں نے اپنی خواہشِ نفس کے مطابق پسند کیا۔ اسی کو محبوب بنا لیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا | يَحْسَبُ لَهُمْ كَوْنَهُ
یہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے
ساتھ شریک بنا رکھے ہیں جن کے
ساتھ وہ خدا کی طرح محبت کرتے ہیں
(البقرہ : ۱۶۵)

اخلاص حضرت ابراہیم خلیل اللہ | حضرت غیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کے
معبودوں پر ایک نامزد نظر ڈال کر فرمایا تھا۔

لَا أُحِبُّ إِلَّا فَلِينَ | میں غائب ہو جانے والی چیزوں کو
(المائدہ : ۷۷) | پسند نہیں کرتا

یہ ایک امر واقع ہے کہ آپ کی قوم کے لوگ صنایع عالم کے منکر نہیں تھے، لیکن
جس چیز کو وہ پسند کرتے اور بزعم خود اس کو اپنے حق میں نفع رساں خیال کرتے تھے مثلاً
سورج، چاند اور دیگر ستارے، انہی کو وہ پہچنے لگتے، خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان
کو بتایا کہ جو چیز نظروں سے غائب ہو جاتی ہے اور وہ اپنے عابدوں کا کلام سننے اور ان
کا حال جاننے سے قاصر ہے اور ان کا نفع یا ضرر اس کے اختیار میں نہیں۔ وہ اس قابل نہیں
کہ اس کی عبادت کی جائے۔

الغرض جس قدر بھی انسان توحید میں خلوص پیدا کرے، اسی نسبت سے اس کے
دل سے غیر اللہ کو معبود مٹھانے کا خیال دور ہوگا اور وہ گناہوں اور نافرمانیوں سے محفوظ
رہے گا۔

مخلصین اور شیطانی تسلط | اللہ تعالیٰ نے یوسف صدیق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصمت
کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

كَذَٰلِكَ لِنُصِّفَ عَنْهُ السُّوَءَ | اسی طرح ہم نے اس کے لیے عصمت
وَ الْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ | کے سامان مہیا کیے تاکہ برائی اور سچائی
عِبَادِنَا الْمُخْلِصِينَ | کو اس سے دور رکھیں۔ بے شک وہ

(یوسف: ۲۴) | ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔
برائی اور بے حیائی کو اپنے مخلص بندوں سے دور رکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ
نے ان کے حق میں شیطان کو ان الفاظ میں مخاطب فرمایا ہے:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ
سُلْطٰنٌ (النحل: ۴۲) | بے شک ہمارے خاص بندوں پر
تجھے کسی قسم کا تسلط نہیں ہوگا۔

اور اس کے جواب میں شیطان نے کہا:

فَبِعِزَّتِكَ لَا أُغْوِيَنَّهُمْ
أَجْمَعِينَ ○ إِلَّا عِبَادَكَ
مِنْهُمْ الْمُغْلٰصِينَ ○
(ص: ۸۳، ۸۴)

خدا یا تیری ذات کی قسم، ان سب کو
بہکا کر چھوڑوں گا مگر جو تیرے مخلص
بندے ہیں وہ بدرہا ہی سے پناہ
جائیں گے۔

غرض شیطانی اکاڈمی اس قدر شدید ہونے کے باوجود بھی مخلص بندے اس کی
زد سے پناہ نکلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان کے حق میں وعدہ ہے کہ شیطان کو ان پر کچھ بھی
اختیار و تسلط نہیں۔

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

○○○○○○○○○○
★★★★★★★★★★

لے اس لیے ہمیں خدا کے مخلص بندوں کے زمرہ میں شامل ہونے کی سعی کرنی چاہیے۔ ان کے سے
عقائد ہوں اور ان جیسے اعمال بجالائیں۔ (ناشر)

اخلاص کلمہ توحید

دخول جنت از قول لا الہ الا اللہ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحیح حدیث مروی ہے کہ جو شخص غلوں قلب کے ساتھ کہ دے لا الہ الا اللہ، اس پر دوزخ کی آگ حرام ہوگئی، کیونکہ اخلاص کی بدولت آدمی ان اعمال کے ارتکاب سے محفوظ رہتا ہے جو انسان کو دوزخ کی آگ کا مستوجب بناتے ہیں اور یہ یاد رہے کہ جو شخص باوجود لا الہ الا اللہ کہنے کے دوزخ میں ڈالا جائے گا، اس کا سبب اخلاص کا فقدان یا کمی ہوگی اور اس کے دل میں شرک کا کوئی شاخہ موجود ہوگا، کیونکہ بعض اوقات شرک کا وجود چیونٹی کی چال سے بھی پوشیدہ تر ہوتا ہے، اس لیے انسان اپنے آپ کو اس سے مبرا خیال کرتا ہے۔

تجدیدِ اخلاص کا پروگرام | اسی بنا پر انسان کو مامور کیا گیا ہے کہ وہ ہر ایک ننانکی ہر ایک رکعت میں ایتانک تَعْبُدُ مَا اِيَّاكَ فَسْتَعِينُ کہہ کر اپنی توحید اور اپنے اخلاص کی تجدید کر لیا کرے۔ شیطان کی کوشش ہر وقت یہ رہتی ہے کہ وہ آدمی کو شرک میں مبتلا کر دے اور آدمی کا نفس ہمیشہ اس کی تلقین اور القار کا اثر قبول کرنے کے لیے آمادہ رہتا ہے اور غیر اللہ کو بیم و امید کا قبلہ بنائے رکھتا ہے۔ لہذا انسان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی توحید کو خالص رکھنے کی کوشش کرے اور اسے شرک کی آمیزش سے پاک رکھے۔

ہلاکتِ قرینِ شیطان | ابن ابی عامر وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کی ہے کہ شیطان کہتا ہے:

أَهْلَكْتُ النَّاسَ بِالذُّنُوبِ | میں نے لوگوں سے گناہ کرائے اور ان

<p>کو ہلاک کیا لیکن انہوں نے لا الہ الا اللہ کہہ کر اور اللہ سے مغفرت طلب کر کے بچ کو ہلاک کیا لیکن جب میں نے دیکھا تو ان کو خواہشِ نفس کی پیروی میں لگا دیا نتیجہ یہ ہوا کہ اب وہ نافرمانی کرتے ہیں اور مغفرت نہیں طلب کرتے کیونکہ وہ اپنے اعتقاد میں ایک نیک کام کرتے ہیں</p>	<p>مَا أَهْلَكُنِي بِإِلَّا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مَا أَلِمْتُغْفَابَ فَلَمَّا سَأَلْتُ ذَلِكَ تَبَّتْ فِيهِمْ الْأَصْأَاءُ فَقَهْرٌ يُذْهِبُونَ وَلَا يَسْتَعْفِفُونَ لَا تَنْتُمْ يُحِبُّونَ أَنْتُمْ يُحْسِنُونَ صَبَحًا</p>
---	---

خواہشِ نفس کی پیروی | خواہشِ نفس کی پیروی یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نازل کی
ہوئی ہدایت کو چھوڑ دے اور جو طبیعت میں آئے اس کو ماننے اور عمل میں لائے لیے
ہی شخص کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے کہ:

<p>جس نے ہوائے نفس کو اپنا معبود سمجھا لیا ہے۔</p>	<p>مِنَ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ (الفرقان: ۲۳)</p>
--	---

اس لیے وہ مشرک ہے اور اس کا شرک اس کے لیے مغفرت طلب کرنے سے مانع
ہے۔



لے عقاید اور اعمال میں ان کو بدعتوں کے ایجاد پر مائل کر دیا۔ (مترجم)

توحید اور استغفار کی منسبت

برخلاف اس کے جس شخص نے اپنی توحید کو نالص کر رکھا اور خدائے تعالیٰ سے اپنے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کی تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ دنیا اور آخرت کے شرور سے محفوظ رہے۔ اس لیے ذوالنون (حضرت یونس) علیہ السلام کی دعایہ تھی :-

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ | خدایا! تیرے سوا کوئی بھی میرا حاجت روا
إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ | نہیں، بے شک میں خود ہی ظالموں
(الانبیاء: ۸۷) | میں سے ہوں۔

اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کی اکثر آیتوں میں توحید اور استغفار کا ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے مثلاً ارشاد ہوتا ہے :-

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ | تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے بغیر
وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْيِكَ | اور کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہ کے
وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ | لیے اور مومن مرد اور مومن عورتوں کے
(محمد: ۱۹) | لیے مغفرت طلب کرو۔

اور فرمایا:

إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي

لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ ۚ كَرِهَ اللَّهُ الْمُشْرِكِينَ
 وَأَنْ اسْتَغْفِرُوا لَكُمْ تَهَارَاتٍ لَكُمْ تَهَارَاتٍ
 ثُمَّ تَقْبَلُوا إِلَيْهِ
 پر دو گار سے مغفرت طلب کرو اور اسی
 کی طرف رجوع کرو۔ (ہود: ۲۱، ۲۲)

اسی سورہ میں قوم عاد کے قصہ میں بعینہ ہی الفاظ مذکور ہیں۔ اور فرمایا:
 كَالَّذِي عَادُوا أَخَاهُمْ هُودًا
 قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ
 مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ
 اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ
 کو پیغمبر بنا کر بھیجا جس نے انہیں کہا کہ
 قوم! اللہ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے
 بغیر تمہارا کوئی معبود نہیں۔ (ہود: ۵۰)

اور فرمایا:

وَيَقَوْمِ اسْتَغْفِرُوا لَكُمْ تَهَارَاتٍ
 ثُمَّ تَقْبَلُوا إِلَيْهِ (ہود: ۵۲)
 اور تو بکر کے اس کی طرف رجوع کرو
 اسی سورہ میں قوم عاد کے قصہ میں بعینہ ہی الفاظ مذکور ہیں۔
 سورہ فصلت کے پہلے رکوع میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ
 يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ
 وَاحِدٌ فَاَسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَ
 اسْتَغْفِرُوا لَهُ
 (یا رسول اللہ) کہہ دو کہ بے شک میں تم
 جیسا انسان ہوں (فرق یہ ہے) میری طرف
 وحی کی گئی ہے بے شک تمہارا معبود
 ایک ہے اور تم سیدھے ہو کر اس کی طرف
 متوجہ ہو جاؤ اور اسی سے مغفرت
 طلب کرو۔ (فصلت: ۶)

مجلس کے خاتمہ کی دعاء | حدیث شریف میں آیا ہے کہ مجلس کا خاتمہ ان الفاظ پر ہونا چاہیے:

<p>اسے خدا! تو پاک ہے اور تیرے لیے سب تعریفیں ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تجھی سے منحرفت طلب کرتا اور تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں۔</p>	<p>سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ يَا مُحَمَّدٌ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ يَا أَنْتَ بِيَاكَ ----- -----</p>
---	--

اگر وہ مجلس اچھی تھی تو یہ کلمات بمنزلہ مہر ہو جائیں گے۔ لیکن اگر وہ بیہودہ مجلس تھی، تو یہ کلمات اس کا کفارہ ہو جائیں گے۔

ادعیہ آخر وضو اور نماز | نیز ایک حدیث شریف میں ہے کہ وضو کے آخر میں یہ کہنا چاہیے:

<p>میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ واحد اور لا شریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں میں اس بات کی کہ حضرت محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ خدایا! مجھ کو توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ بندوں میں سے بنا دے۔</p>	<p>أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاحِدٌ لَا شَرِيكَ لَهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَأَنَّ سُوْلَهُ اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّائِبِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ</p>
---	--

یہ دونوں اذکار توحید اور استغفار پر مشتمل ہیں۔

ایک دوسری روایت میں وضو کے آخر میں جعینہ انہی کلمات کا کہنا منقول ہے، جو مجلس کے ختم ہونے پر کہے جاتے ہیں جو دین اسلام کی اصل و اساس ہیں۔ کیونکہ دین تمام نذر انہی دو شہادتوں میں داخل ہے۔ اس لیے ان ہر دو کا مضمون یہ ہے کہ ہم سوائے اللہ کے

کسی کی بھی عبادت نہیں کرتے اور اس کے رسول کی پیروی کرتے ہیں۔ پس یہی دین اسلام کا خلاصہ ہے، اللہ کی عبادت بھی اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت کے ذریعے ہوتی ہے، اور ہر ایک فرضی اور فعلی عبادت بھی اسی اطاعت الہی اور اطاعت رسول میں مضمر ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ کفارہ مجلس کی دعا نماز کے آخر اور وضو کے آخر میں بھی پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز کے آخر میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

<p>اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنْي إِنَّتَ الْمُقَدِّمُ وَالْأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ</p>	<p>یا اللہ مجھے بخش دے میرے وہ سب گناہ جو میں پہلے کر چکا ہوں یا بعد میں کر دوں گا، اور جو پوشیدہ کیے ہیں اور جو علانیہ کیے ہیں اور جو کچھ کہ تو میرے شعاع جانتا ہے، تو مقدم اور تو ہی مؤخر ہے میرے سوا کوئی معبود نہیں۔</p>
---	--

اس میں بھی مہر سی استغفار اور توحید ہے۔ نماز کی دعا میں کلوت توحید کو اس لیے آخر دعا میں رکھا گیا ہے کہ نماز کا خاتمہ بہترین کلمہ پر ہو۔

افضل اور مفضل | البتہ جہاں پر یہ بات مقصود بالذات نہیں وہاں توحید کو مقدم رکھا گیا ہے (مثلاً خاتمہ مجلس اور خاتمہ وضو کی دعاؤں میں) کیونکہ مجازاً توحید کے وہ دعائیں کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی ثنا اور تعریف ہو اس دعا سے ہنر اور افضل ہے جو سوال اور طلب پر مشتمل ہو۔ اگرچہ بعض موقعوں پر مفضل کو کسی خاص سبب کی بنا پر افضل سے ترجیح دی جاتی ہے، چنانچہ نماز مطلق قرأت سے افضل ہے اور قرأت قرآن کو ان اذکار پر ترجیح ہے جو حمد و ثنا پر مشتمل ہیں اور اس قسم کے اذکار ان دعاؤں پر فوقیت رکھتے ہیں، جن میں خالص سوال

اور طلب ہے لیکن بایں ہر بعض اوقات اور بعض جگہوں میں مفضل کو کسی خاص وجہ کی بنا پر فضل سے راجح مانا جاتا ہے۔

تمام ادیان کا پنچوڑا ہر سال اس بات کو بخوبی یاد رکھنا چاہیے کہ دین کا آغاز اور انجام اور اس کا ظاہر اور باطن، توحید اور خالص توحید ہے اور دین اسلام تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ادیان کا زبدہ اور مخلص ہے اور لوگوں کے دلوں پر لا الہ الا اللہ کا گہرا نقش بٹھانا اس کا مقصد ہے۔

توحید ربوبیت اور توحید الوہیت

عام مسلمان لا الہ الا اللہ کے مضمون کا سرسری اقرار کرتے ہیں لیکن توحید کو خالص بنانا میں ان کے درجات میں ایک وسیع اختلاف پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جس توحید کو فرض منوکہ قرار دیا گیا ہے، اس کا مفہوم صرف آنا ہے کہ کوئی شخص یہ اقرار کرے کہ ہر ایک چیز کا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے اور وہی اس کی پرورش کا کفیل ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ توحید ربوبیت اور چیز ہے اور توحید الوہیت اور چیز۔ عقیدہ مشرکین عرب | توحید ربوبیت کا تو عرب کے مشرکوں کو بھی اقرار تھا، وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ آفرینندہ عالم ایک نہیں، یا سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور بھی ایسا خدا موجود ہے جو پروردگارِ مطلق کہلا سکے، اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں واضح طور پر ان کا یہ عقیدہ بیان فرمایا ہے (یعنی یہ کہ وہ خالق عالم کو ایک سمجھتے تھے) فرمایا:

وَلَقَدْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ | اگر تم ان سے دریافت کرو کہ آسمانوں
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَيَقُوْلُنَّ | اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ یہی

خَلَقْنَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿۹﴾
 کہیں گے کہ ان چیزوں کو خدا نے
 غالب اور باخبر نے پیدا کیا۔

اور فرمایا،

وَ مَا يُؤْمِنُ مِنْ أَكْثَرِهِمْ بِاللَّهِ
 إِلَّا وَ هُمْ مُشْرِكُونَ ﴿۱۰﴾
 ان میں سے اکثر اللہ تعالیٰ پر ایمان
 نہیں لاتے بلکہ وہ مشرک ہیں۔
 دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے،

قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ
 فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾
 سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا
 تَذَكَّرُونَ ﴿۱۲﴾
 تَرَبُّبِ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَ
 تَرَبُّبِ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۱۳﴾
 سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا
 تَتَّقُونَ ﴿۱۴﴾
 قُلْ مَنْ أَبِيَدُهُ
 مَلَكَتُ كُلِّ شَيْءٍ وَ رَهُوَ
 يُحْيِيهِ وَ لَا يُجَاوِزُ عَلَيْهِ
 إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۵﴾
 سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى
 تُسْحَرُونَ ﴿۱۶﴾

(اے نبی! ان سے پوچھیے، زمین اور
 جو کچھ اس میں ہے کس کی ملکیت ہے
 اگر تم جانتے ہو؟ تو کہیں گے اللہ ہی
 تو ہے۔ آپ پوچھیں ساتوں آسمانوں
 کا پروردگار اور بڑے عرش کا مالک کون
 ہے؟ اس کے جواب میں وہ ضرور
 یہ کہیں گے کہ اللہ ہی تو ہے، آپ پوچھیں
 تو پھر کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ پھر
 پوچھیں کہ وہ کون ہے جس کے ہاتھ
 میں ہر ایک چیز کا کامل تصرف ہے اور
 کون دوسروں کو پناہ دیتا ہے اور خود
 پناہ نہیں چاہتا
 اس کے جواب میں وہ ضرور کہیں گے
 کہ وہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے،
 آپ پوچھیں کہ پھر تم کیوں سحر ہو چکے ہو؟

(المؤمنون: ۸۴ تا ۸۹)

انکارِ توحیدِ الوہیت | لیکن یہ مشرک باوجود اس اقرار کے کہ خالقِ ارض و سما اللہ ہی ہے اور وہی سب کا پروردگار ہے، خدا کی توحیدِ الوہیت کے معترف نہیں تھے جس کی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تعلیم دی ہے بلکہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا رکھا تھا جن کو بارگاہِ کبریا میں اپنا شفیع خیال کرتے تھے، چنانچہ ان کا یہ قول قرآن کریم میں منقول ہے:

وَيَقُولُونَ هَلْ نَحْنُ بِأَعْيُنِنَا ۗ شَفَعَاؤُنَا | تودہ کہتے ہیں ہمارے یہ معبود اللہ کے
عِندَ اللَّهِ (یونس: ۱۸) | سامنے سفارشی ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ | جن لوگوں نے غیر اللہ کو اپنا کارساز متقرر کر رکھا ہے، وہ کہتے ہیں ہم ان کی عبادت (معبود سمجھ کر نہیں کرتے) بلکہ اس لیے کرتے ہیں کہ وہ خدا کی بارگاہ میں ہمارے

لیے حصولِ قرب کا موجب ہوں۔ (الزمر: ۳)

غیر اللہ کے ساتھ محبت کرنا مشرک ہے | ان لوگوں کا مشرک یہ تھا کہ وہ محبتِ جہادت اور طلبِ جاہات میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک گردانتے تھے، اگرچہ اعتقاد اور اقرار کے لحاظ سے وہ موحد تھے۔ کلامِ پاک میں ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ | لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو غیر اللہ کو اس کا شریک گردانتے اور ان ایسی محبت کرتے ہیں، جیسی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرنی چاہیے۔ (البقرہ: ۱۷۵)

اس آیت کریمہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص کسی مخلوق کے ساتھ ویسی محبت ہے جو اس کو خدائے تعالیٰ کے ساتھ رکھنی چاہیے تو وہ مشرک ہے اور اس آیت کے مفہوم

میں داخل ہے، چاہے وہ اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اس کو پیدا کیا اور وہی اس کو رزق دیتا ہے۔

الحبِّ و الحبِّ مع اللہ کافرق



اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان دو شخصوں میں فرق بتایا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے محبت رکھتا ہے اور وہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی اپنا محبوب قرار دے رکھا ہے، پہلے شخص کی محبت اور عبادت کا منتہی اور مقصود فقط اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور کوئی دوسرا بالاستقلال ان کا محبوب نہیں ہوتا۔ لیکن ساتھ ہی وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بعض بندوں سے یعنی انبیاء اور صالحین سے محبت ہے۔ اس لیے وہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ اس کو ان کا بذاتِ خود محبوب بنانا مقصود ہے بلکہ اس لیے کہ وہ خدا کے محبوب ہیں۔

ترکِ مخطورات اور سجا آوری مامورات | اسی طرح وہ جانتا ہے کہ مامورات کا بجالانا اور مخطورات کا ترک کرنا خدا تعالیٰ کو پسند ہے اس لیے وہ ایسا ہی کرتا ہے کیونکہ اس کی محبت خدا کی محبت کے تابع رہتی ہے، بر خلاف اس کے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بلکہ اپنی خواہش نفس کے مطابق اس کے ساتھ کسی دوسرے کو اپنا محبوب قرار دیتا ہے اور اپنی امید و بیم کو اس سے وابستہ کرتا ہے اور ہر حالت میں اس کی اطاعت کرتا ہے قطع نظر اس سے کہ اس کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور اس کو اپنا شیخ سمجھتا ہے، اگرچہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے اس کو شفیع مقرر فرمایا ہے۔ فرمایا:

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ
مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ
وَيَقُولُونَ هُوَ إِلَهُنا
عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتَنْتَهُنَّ
اللَّهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ
وَلَا فِي الْأَرْضِ (يونس: ۱۸)

یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں تو کوئی بھی اس قسم کا شفیع نہ آسمانوں میں ہے اور نہ زمین میں ہے
لیکن وہ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے شفیع ہیں تو کیا وہ خدا نے تعالیٰ کو ایک ایسی بات بتانا
چاہتے ہیں جو وہ نہیں جانتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اتَّخَذُوا أَحْبَابًا مِّمَّنْ
وَهُبَّانَهُمْ زُرَّابًا مِّنْ
دُونِ اللَّهِ وَالنَّبِيِّ
مَنْ يَمُرَّ مَا أُمِرُوا إِلَّا
لِيَعْبُدُونَ إِلَهًا
إِلَّا هُوَ سُبْحَانَ عَمَّا
يُشْرِكُونَ ○

ان لوگوں (یہودیوں اور عیسائیوں) نے
اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ اور
عیسے بن مریم کو خدا بنا رکھا ہے، حالانکہ
ان کو تو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک ہی
خدا کی عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ کے
بغیر اور کوئی معبود نہیں اور وہ ان بالوں
سے پاک و بزرگ ہے جن کے ذریعے
وہ شرک کرتے ہیں۔

(التوبہ: ۳۱)

اس آیت سے نہایت صاف اور واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء اور علماء
و مشائخ کی تعظیم اور اطاعت میں اگر غلو کیا جائے تو یہ بھی شرک ہے چاہے وہ غلو کرنے

والا اس کو شرک نہ سمجھنا ہو۔

روایت عدی بن حاتم | اس کی مزید توضیح عدی بن حاتم کی حدیث سے ہوتی ہے
اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں اس آیت کے متعلق استفسار
کیا تھا کہ ہم عیسائی لوگ تو اپنے علماء و مشائخ کو اپنا معبود نہیں سمجھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ
نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

”وہ ان کے لیے حلال کو حرام کر دیتے تھے اور حرام کو حلال کر
دیتے تھے، جس کی وہ بے تامل اطاعت کرتے تھے۔ یہی ان کی عبادت
تھی؟“

قرآن کریم میں ہے:

أَمْ لَكُمْ شُرَكَاءُ شَعْنُوا
لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنُ
بِهِ اللَّهُ
(شورہ: ۲۱)

کیا انہوں نے اپنے لیے خدا کے شریک
مقرر کر رکھے ہیں جنہوں نے ان کے
لیے ایک ایسا مذہب ایجاد کیا جس
کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔

تعظیم مشائخ میں غلو واضح رہے کہ جو شخص کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو چھوڑ کر
کسی عالم، مجتہد یا شیخ طریقت کے قول کا اس لیے اتباع کرتا ہے کہ وہ اس کا قول ہر

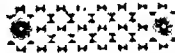
بعضی اندھا دھند کسی کی تقلید کرنا بھی شرک ہے اور اس کو غیر اللہ کی عبادت کہتے ہیں۔
اے کسی پیرو مرشد کی اس طرح تقلید کرنا پیر پستی میں داخل ہوگی۔ اگر اس کی بات شریعت کے مطابق
ہے تو اس کی پابندی عین شریعت کی پابندی ہوگی لیکن اگر وہ تبیح شریعت نہیں تو خواہ وہ
آسمان پراڑا آئے، بے شمار کرامات کا ظہور اس کے ہاتھ پر ہو اس کی بیعت قطعاً حرام ہے اگر
بیعت ہو جائے تو اس کا توڑنا فرض عین ہے۔ اگر نہ توڑے گا تو کافرو زندقی اور اس میں کچھ فرق
نہ ہوگا خسر الدنیا والآخرۃ ہو گیا۔

یقیناً وہ اس آیت کریمہ کے مفہوم میں داخل ہوگا۔
دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَإِنَّمَا يَعْضُ الظُّلُمَ عَلَى
يَدَيْهِ يَقُولُ يَلِيَّتِي
اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ
سَبِيلًا ۝ يُؤْتِي لِي لِيَّتِي
لَمْ آتِخِذْ فُلًا نَّخِيلًا
لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ
بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ
الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ
حَدِيثًا ۝

اور اس حالت کو یاد رکھو جب کہ ظالم آدمی (جس نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو پس پشت پھینکا تھا) انتہا درجہ کا افسوس کرتے ہوئے اپنے دروزں ہاتھ کاٹے گا اور کئے گا، کاش! میں نے پیغمبر خدا کے ساتھ رہنا، اس کو سناستے پر چلنا اختیار کیا ہوتا۔ ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔ بے شک اس نے مجھے بہکا کر اللہ کے کلام سے دور پھینک دیا۔ جب کہ وہ میرے پاس آچکا تھا اور بیشک شیطان انسان کو تکلیف کے وقت بالکل اکیلا چھوڑ دینے والا ہے۔

(الفرقان: ۲۴ تا ۲۹)



اطاعتِ الہی اور اطاعتِ رسول

رسولوں کی بعثت کا مقصد | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تو اس لیے فرض ہے کہ آپ کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے فرمایا:

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ | جس شخص نے رسول کی اطاعت کی تو
أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: ۸۰) | بے شک اس نے خدا کی اطاعت کی

پس حلال وہی ہے جو رسول نے حلال ٹھہرایا اور حرام وہی ہے جسے رسول نے حرام قرار دیا اور دین وہ ہے جسے رسول نے شریعت قرار دیا اور کیوں نہ ہو، رسول کے بھیجنے کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچائے اور اس کے احکام کی بے کم و کاست تبلیغ کرے لیکن رسول کو چھوڑ کر دوسرے علماء و مشائخ اور ملوک و علماء سب کی اطاعت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان کا حکم اور ان کی ہدایت و ارشاد، اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی شریعت کے موافق ہو۔ ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا | اے مومنو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت
اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ | کرو اور اس کے رسول کی اطاعت
أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ | کرو اور مومن حاکموں کی اطاعت
(النساء: ۵۹)

ماور من اللہ اور اولی الامر | الرسول کے ساتھ اَطِيعُوا كَالْقِطْعَةِ دُوبَارَهُ ذَكَرَ كَرْنِ فِي
 یہ نکتہ ہے کہ رسول کی اطاعت بھی خدا کی اطاعت کی طرح ہے اور جب رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم بیان کریں تو کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے ماننے میں
 چون و چرا کرے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ماور ہو کر حکم دیتے ہیں:
 مَا يَنْطَلِقُ عَنِ السَّوْءِ | وہ تو اپنی خواہش نفسانی سے کچھ بھی نہیں
 اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ | کہتا، اس کو تو وحی آتی ہے (تب وہ
 (الجم: ۲۰۳) | بولتا ہے)

برخلاف اس کے علماء اور مشائخ اور طوک و امراء جن کو اس آیت میں "اولی الامر"
 کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، کسی ایسی بات کا بھی حکم ان سے صادر ہو سکتا ہے جو اللہ
 تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ اور اس کے احکام کے خلاف ہو۔ اس لیے "اولی الامر"
 کے لفظ کو "الرسول" پر عطف کیا گیا ہے یعنی ان کی اطاعت کے لیے یہ شرط ہے کہ
 ان کا حکم "الرسول" کی تعلیم کے مطابق ہو۔ اس کی توضیح اسی آیت کے آخری حصہ سے
 ہوتی ہے کہ:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ | اگر بالفرض کسی بات میں تمہارا اختلاف
 فَسُدُّوا عَلٰى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ | ہو جائے تو اگر تم اللہ اور آخرت کے
 اِنْ كُنْتُمْ تُوِّفِقُوْنَ بِاللّٰهِ | دن پر ایمان رکھتے ہو تو اس اختلاف
 وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ | کا فیصلہ کرنے کے لیے اللہ اور اس
 (النساء: ۵۹) | کے رسول کی طرف رجوع کرو۔

دین کا مخلص | اس تقریر کو ابھی طرح ذہن نشین کرنے سے یہ بات سنجی تمہاری سمجھ
 میں آ سکتی ہے کہ دین کا مخلص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کی جائے اور بس۔
 ارشاد ہے:

سوائے اللہ کے کسی کو حکم دینے کا حق
حاصل نہیں۔

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ
(یوسف: ۴۰)

اور فرمایا:

اور کافروں کے ساتھ لڑو، یہاں تک
کہ کفر و شرک کا فتنہ ختم ہو جائے اور
تمام تر اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے
ہو جائے (صرف اسی کا حکم مانا جائے)

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ لَا يَسْكُونُوا
فِتْنَةً قَدْ يَكُونُ الدِّينُ
كُلَّهُ لِلَّهِ
(الانفال: ۳۹)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ اس شخص کے
بارے میں کیا فرماتے ہیں جو اس لیے جہاد کرتا ہے کہ اسے شجاع و بہادر کہا جائے۔ یا
قومیت کی خاطر لڑتا ہے یا ریاکاری کی بنا پر تو کیا اسے مجاہد فی سبیل اللہ کا نام دیا جائے گا؟
آپ نے فرمایا:

مَنْ قَاتَلَ لِشُكُونِ كَلِمَةٍ
اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ

مجاہد فی سبیل اللہ وہ ہے جس نے
اس غرض سے جہاد کیا کہ اللہ کے دین
کا بول بالا ہو۔

غلو فی التوحید | بہت سے لوگ کسی خلیفہ یا عالم یا شیخ یا امیر کو اس حد تک مجتنب سمجھنے
لگتے ہیں کہ اس کو خدا کا شریک بنا دیتے ہیں اور گو وہ بظاہر یہی کہتے ہیں کہ ہماری محبت ان
کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے لیکن جو شخص سوائے رسول کے کسی اور کو یہاں تک
بڑھادیتا ہے کہ اس کے ہر ایک ارادہ اور نہی کو بغیر چون و چرا کے تسلیم کر لیتا ہے، چاہے
اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت ہوتی ہو تو سمجھ لو کہ اس نے اس کو
خدا کے تعالیٰ کا شریک بنا لیا۔

پہری مریدی کا جوش جنون اور کچھ بعید نہیں کہ عقیدت کا جوش اس کو اپنے محبوب کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنے پر آمادہ کرے جو نصاریٰ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا اپنے اہلِ اہل اور رہبان کے ساتھ کرتے ہیں، یعنی قضائے حاجات کے لیے اس کو پکارنے لگے۔ اس سے فریاد خواہی کرے، اس کے دوستوں سے محبت رکھے اور اس کے دشمنوں کو مغضوب سمجھے اور ہر ایک بات میں اس کی اطاعت کو لازم سمجھے۔

بے شک یہ ارشاد باری تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کے حق میں نازل ہوا ہے کہ:-
 مِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ
 مِنْ دُونِ اللَّهِ إِندَادًا يُحِبُّونَهُمْ
 كَحُبِّ اللَّهِ
 (البقرہ : ۱۷۵)

لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو غیر اللہ سے ایسی محبت کرتے ہیں کہ جیسی اللہ کے ساتھ کرنی چاہیے۔



لہجے کہ اکثر مرید اپنے پیروں کے ساتھ ہی سلوک کرتے ہیں اور اپنے عقیدہ کی ترجمانی کے لیے یہ شعر زباں پر لاتے ہیں :-

ہر سئے سجادہ زنگیں کن گرت پر مغل گوید
 (مترجم)

ایمان اور اسلام کا مفہوم

عقائد و اعمال قلب | الغرض قلب کے اعمال میں بھی توحید اور شرک کی ویسی ہی حکومت ہے جیسی کہ قلب کے عقائد میں چنانچہ بنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

التوحيد قول القلب و | توحيد دل کا قول ہے اور توکل اس
التركل عمل القلب | کا عمل ہے۔

اس توحید قولی سے آپ کی مراد قلب کی تصدیق ہے کیونکہ اس کو توکل کے مقابلہ میں استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ ویسے اگر توحید کا لفظ استعمال کیا جائے تو وہ قلب کے قول (یعنی اس کی تصدیق) اور اس کے عمل دونوں کو شامل ہوتا اور توکل بھی توحید کا تمہ ہے۔

اس کی مثال بعینہ ایمان کے لفظ کی ہے کہ اگر اس کو علیحدہ استعمال کیا جائے تو تمام ظاہر اور باطن کے اعمال اس کے مفہوم میں داخل ہوتے ہیں۔ عام طور پر سلف کا یہ قول مشہور ہے کہ:

”الایمان قول و عمل“ جس کے یہ معنی ہیں کہ ایمان، قلب اور زبان کے قول اور قلب اور جوارح کے اعمال کا نام ہے۔“

صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

الایمان بضع و ستون شجرة | ایمان کی کچھ اور ساکھ شاخیں ہیں
اعلاها قول لا اله الا الله | اعلیٰ شاخ لاله الا اللہ کنا اور ادنیٰ ترین
و ادناها ماطة الاذی عن | شاخ یہ ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ

الطریق و الحیاء شعبۂ
من الایمان

اسی طرح قرآن کریم میں ہے:

یقیناً مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ
اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں
اور پھر انہوں نے کبھی اس میں شک
نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے
میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد
کیا۔ یہی لوگ سچے ایمان دار ہیں۔

(الحجرات: ۱۵)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ
آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ
لَمْ يَكُنْ تَأْتِيهِمْ
بِأَمْرِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى
فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ لِلنَّفْسِ
الْحَقَارَةِ

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

یقیناً مومن وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ
تعالیٰ کا ذکر کیا جاوے تو ان کے دل
ڈرنے لگتے ہیں اور جب ان پر
اس کی آیتیں پڑھی جائیں تو ان کی
تلاوت ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں۔
اور وہ صرف اپنے پروردگار پر بھروسہ
رکھتے ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو ناز و کوتاہم
رکھتے اور جو چیز ہونے ان کو بخشی ہو
اس سے کچھ خچر کرتے ہیں یہی
لوگ سچے مومن ہیں۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ
إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ
أَعْيُنُهُمْ وَإِذَا قُرِئَتْ
عَلَيْهِمْ آيَةٌ مِنْ آيَاتِ
الْحَقِّ إِيمَانًا وَعَلَىٰ مَا
رَبَّهُمْ يُسَلِّمُونَ
الَّذِينَ يُقْبَلُونَ الْمَثَلَةَ
وَمِمَّا مَرَرْتُمْ يُنْفِقُونَ
أَوْ لِيُكْفِرُوا عَنْ
الْحَقِّ

(الانفال: ۲۴)

تیسری جگہ فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ
 اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ
 وَاِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلٰى
 اَمْرٍ جَارِحٍ لَّمْ يَذُفُّوْا
 حَتٰى يَسْمَعُوْا اٰيٰتَ اللّٰهِ
 (النور: ۶۲)

سچے مسلمان تو وہی لوگ ہیں جو اللہ اور
 اس کے رسول پر ایمان رکھیں اور جب
 کبھی رسول کے ہمراہ کسی جمعیت کے کام
 میں جاتے ہیں تو اس کی اجازت کے
 بغیر ادھر ادھر نہیں جاتے۔

ہر مسلم مومن نہیں ایمان کا لفظ مطلق ذکر کیا جائے تو وہ اسلام کے مفہوم کو بھی شامل ہونا
 ہے جیسا کہ صحیحین کی ایک حدیث ہے کہ جب تبدیل عجد القیس کا وفد آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ:

اَمْسُكُمْ بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ
 اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِيْمَانُ
 بِاللّٰهِ شَهَادَةٌ اَنْ لَا اِلٰهَ
 اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا
 رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ
 وَاِيتَاءُ الزَّكٰوةِ وَاَنْ
 تَعِيَ دُوْنَ اِحْمَسَ مَا عِنْتُمْ

میں تم کو ایک خدا پر ایمان لانے کا حکم
 دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ خدا پر ایمان
 لانے کے کیا معنی ہیں؟ اس کے یہ
 معنی ہیں کہ تم اس بات کی شہادت
 دو کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی
 معبود نہیں اور حضرت محمد اس کے رسول
 ہیں نماز قائم رکھو، زکوٰۃ دیا کرو اور جو
 کچھ مال غنیمت تمہارے ہاتھ آئے اس
 کا پانچواں حصہ بیت المال میں داکیا کرو۔

اسی بنا پر سلف فرماتے ہیں کہ،

كُلُّ مُؤْمِنٍ مُّسْلِمٍ وَ لَيْسَ
 كُلُّ مُسْلِمٍ مُّؤْمِنٍ

ہر ایک مومن، مسلم ہے لیکن ہر ایک
 مسلم مومن نہیں ہے۔

حقیقتِ ایمان، اسلام، احسان

اس کے مفہوم میں داخل ہوتے ہیں جیسے کہ تفصیل بالا سے ظاہر ہے لیکن اگر اس کے مقابلے میں اسلام یا عمل کا ذکر کیا جائے تو وہاں پر ایمان کا مفہوم یقین قلبی تک محدود رہتا ہے جیسے کہ کلام پاک میں کثرت سے إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مذکور ہے۔

صحیحین کی ایک حدیث ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے ایک آدمی کی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان، اسلام اور احسان کی حقیقت دریافت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

○ الْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ
وَأَسْلَمْتَ لَهُ وَكُتِبَ عَلَيْكَ
وَالْبُعْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ
تُؤْمِنُ مِنَ الْقَدْرِ حَيْثُ
شِئْتَ

ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں پر یقین کرو۔ مرنے کے بعد زندہ ہونے کی تصدیق کرو اور خیر و شر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے منفرد ہونے کو تم باور کرو

○ الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا
رَسُولُ اللَّهِ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ
وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ
مَنْ مَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ

اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی شہادت دو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور محمد اس کے رسول ہیں اور نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج بجالاؤ۔

○ الْإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ
كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَرَكَ
تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

احسان کے معنی یہ ہیں کہ تم خدا تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر بالفرض تم اس کو دیکھ نہیں سکتے تو اس میں شک

نہیں کہ وہ تم کو دیکھ سکتا ہے۔

اس حدیث میں ایمان اور اسلام کے مفہوم کو الگ الگ بیان فرمایا ہے لیکن اس سے پہلے جو حدیث مذکور ہے اس میں چونکہ صرف ایمان کا ذکر ہے یعنی اس کے مقابلے میں اسلام وغیرہ مذکور نہیں، اسلام کے مفہوم کو بھی اس کے مفہوم میں داخل بتایا ہے۔

منتقاد و مطیع کی تشریح | ظاہری اعمال، ایمان بالقلب کا نتیجہ اور اس کے مقصدیہ ہیں، جس کا الفاظ دیگر یہ مطلب ہے کہ اگر دل میں ایمان ہو گا تو یہ ضروری ہے کہ جوارج سے بھی اس کے مناسب اعمال سرزد ہوں۔ ایمان بالقلب کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ نہ صرف اس کا دل جن چیز پر وہ ایمان لایا ہے اس کی بھی تصدیق کر لے بلکہ اس کے لیے منتقاد اور مطیع ہو جائے۔ اس لیے اگر کوئی شخص دل سے اس بات کی تصدیق کرے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں لیکن اس کے دل میں آپ کی نسبت بغض اور حسد بھرا ہوا ہے اور وہ آپ کی متابعت سے سزا باری کرتا ہے تو سمجھ لیں کہ اس کا دل مومن نہیں ہے۔

حواس و ادراک سے بالاتر امور | یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگرچہ ایمان کے مفہوم میں تصدیق کے معنی پائے جاتے ہیں لیکن ہر ایک تصدیق کو ایمان سے تعبیر نہیں کر سکتے مثلاً کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ دو کا نصف ایک ہے یا آسمان ہمارے سروں پر ہے یا زمین ہمارے قدموں کے نیچے ہے یہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کو ان باتوں پر ایمان ہے بلکہ ایمان کا اطلاق ان امور کی تصدیق پر ہوتا ہے، جو حواس کے ادراک سے بالاتر ہوں اور ان کا جاننا بدیہی نہ ہو، جیسے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے باپ سے کہا:

آپ ہماری بات کو ماننے والے

وَمَا أَنْتَ بِمِن لَّنَا

نہیں

(یوسف : ۱۷)

کیونکہ انہوں نے ایک ایسی خبر کی اطلاع دی تھی جو ان سے پوشیدہ تھی اور وہ اس کے باور کرنے میں اختلاف کرتے تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَا أَمَّنَ لِمَنْ سَلَىٰ إِلَّا | پس مومنوں پر سوائے اس کی قوم کے
ذُرِّيَّاتِهِ مِّنْ قَوْمٍ | چند آدمیوں کے کوئی بھی ایمان نہ لایا۔
(یونس: ۸۳)

نیز فرمایا:

وَ مِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ | اور بعض ان میں سے وہ لوگ ہیں جو
النَّبِيَّ وَ يَقُولُونَ هُوَ أَذُنٌ | نبیؐ کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ
قُلْ أَذُنٌ خَيْبٌ لَّكُمْ يُؤْمِنُ | وہ کان کے کپے ہیں۔ کہہ دو (طے نبیؐ)
بِاللَّهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمَعْنَىٰ مِنْهُمْ | وہ تمہارے فائزے کے کان ہیں
اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں پر
یقین۔

(التوبہ: ۶۱)

یہاں ایمان باللہ اور ایمان بالمومنین میں فرق کیا گیا ہے جس سے مراد مومنوں کی تصدیق کرنا ہے۔

بہر حال ایمان باللہ سے مقصود اقرار لسانی ہے جیسے فرعون اور اس کے سرداروں کا قول ہے جو حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کے متعلق انہوں نے کہا۔ قرآن میں ہے:

أَنذَرْنَا مِنْ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا | کیا ہم ان پر ایمان لائیں جو ہماری طرح
دو آدمی ہیں۔ (المومنون: ۴۷)

جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کا اقرار اور تصدیق نہیں کرتے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

أَنْتُمْ مَعُونٌ أَنْ يَتَّقُوا | کیا تم اس بات کی امید رکھتے ہو کہ
لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَيْتِنٌ | وہ تم پر ایمان لے آئیں گے، حالانکہ

ان میں سے ایک گروہ اللہ کے کلام کو
سننے اور پھر سمجھ لینے کے بعد اس کی
تحریف کر دیتا ہے (البقرہ: ۷۵)

مَنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ
ثُمَّ يَحْرُفُونَ لَهُ مِنْ بَعْدِ مَا
عَقَلُوا لَا وَهُمْ يَعْلَمُونَ

دوسرے معنی کے متعلق فرمایا:

وہ غیب کی حقیقتوں پر ایمان لے آتے
ہیں۔

يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ
(البقرہ: ۳)

اور فرمایا:

جو کچھ اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے اس
پر رسول اور مومن ایمان لاتے ہیں اور
اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کے فرشتوں
اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر
(اور کہتے ہیں کہ ہم اس کے رسولوں میں
سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے۔

أَمَنْ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ
إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ
كُلٌّ أَمَنْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ
وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ
بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ

(البقرہ: ۲۸۵)

اور دوسری جگہ فرمایا:

لیکن نبی یہ ہے کہ جو شخص اللہ پر آخرت
کے دن پر، اس کے فرشتوں پر، اس
کی کتاب پر اور اس کے نبیوں پر ایمان
لانا یعنی سب کا اقرار کرتا۔

لَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَ
الْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَ
الْكِتَابِ وَالرَّسُولِ

(البقرہ: ۱۷۷)

اور اس طرح قرآن شریف میں کثرت سے آیات آئی ہیں۔

مومن اور کافر کی شناخت | الغرض ایمان بعض امور غیبیہ کے ماننے کا نام ہے اور
یہ بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے کہ قلب میں اس کی تصدیق پر عمل بھی پایا جائے۔

کیونکہ اگر ایک آدمی جانتا ہے اور اس کو یقین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں لیکن اس کے دل میں ان کی محبت اور تعظیم نہیں بلکہ اس کے بجائے بغض اور حسد سے اس کا دل لبریز ہے اور وہ آپ کے اتباع کو اپنے لیے کسرتان سمجھتا ہے ایسے شخص کو سمن نہیں بلکہ کافر کہیں گے۔ ابلیس، فرعون، اور بعض اہل کتاب کا کفر اسی قسم کا ہے۔

انکارِ شیطانی کی نوعیت | ابلیس اچھی طرح جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس پر شرف بخشا ہے اور اس کے حکم سے وہ ملائکہ کا مسجود قرار پایا ہے لیکن اس کا سبب اس کو اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ حکم الہی عزوجل کی تعمیل میں اپنا سر خم کرے۔ اسی تجر و غرور کی بدولت وہ راندہ درگاہ الہی قرار پایا۔

فرعون کا انکار | اسی طرح فرعون بھی جانتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک سچا رسول ہے۔ قرآن میں ہے:-

وَجَعَلْنَا آيَاتِنَا آيَاتٍ مُّبِينًا
اسْتَيْفَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ
ظُلْمًا أَعْلُوًا

باوجودیکہ فرعون اور اس کی قوم اپنے دلوں میں یقین کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ کی لائی ہوئی نشانیاں سچی ہیں لیکن پھر بھی انہوں نے ازراہ تجر و غرور عنادان کا انکار کیا۔

(النمل: ۱۴)

دوسری جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول منقول ہے جس سے آپ نے فرعون کو مخاطب فرمایا ہے۔ قرآن کا بیان ہے:

لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا أَنزَلَ مِنْ عَلَانَا
الْأَمْثَلُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
بَصَائِرٍ وَإِنِّي لَأَخْلُقُكُمْ

اے فرعون بے شک تم جانتے ہو کہ یہ نشانیاں جو چرخِ بصیرت ہیں اسی خدا نے نازل فرمائی ہیں جو

يُنْفِ عَوْنٌ مَثْبُورٌ ۝
 (بنی اسرائیل: ۱۰۲)

آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور
 بیشک میں خیال کرتا ہوں کہ تم ہلاک
 ہو کر رہو گے۔

اہل کتاب کے سخی میں وارد ہوا ہے۔ ارشاد باری ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا بِالْكِتَابِ
 يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ
 بِنَاءِ هُمْرٍ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے
 وہ رسول کو اس طرح پہچانتے
 ہیں جس طرح کوئی اپنے بیٹے کو
 پہچانتا ہے (اور اس کی شناخت
 میں کبھی غلطی نہیں کرتا۔

(البقرہ: ۱۲۶)

علم اور عمل کی ناموافقیت
 بنا بر دلائل مذکورہ بالا اگر دل میں علم تو ہو لیکن عمل قلب
 اس کے موافق نہ ہو تو یہ علم و دانش کچھ بھی مفید نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سخت ترین عذاب اس شخص کے
 لیے ہے جس نے اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی
 دعائیں اکثر فرمایا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ
 مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَلَا نَفْسٍ لَا
 تَسْبِغُ وَلَا دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ
 وَ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ

خدایا! میں تیری پناہ میں آتا ہوں،
 ایسے علم سے جو نفع رساں نہ ہو اور
 ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسی
 دعا سے جو قبول نہ ہو اور ایسے
 قلب سے جو عاجزی نہ کرے۔

فرقہ جمہیہ کا اعتقاد
 بایں ہر فرقہ جمہیہ کا خیال ہے کہ صرف تصدیق قلبی کا نام ایمان
 ہے اور جہاں کہیں شریعت نے کسی کے سخی میں یہ کہا کہ وہ مومن نہیں تو سمجھ لو کہ اس

کے قلب میں تصدیق نہیں تھی لیکن ایسا خیال کرنا ایک بہت بڑی جہالت ہے اور ان کے اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ موسیٰ اور کافر میں کچھ فرق نہیں۔ ویکھ بن الجراح اور امام احمد بن حنبل وغیرہ ائمہ رحمہم اللہ نے ایسے لوگوں کو جن کا یہ اعتقاد ہو، کافر کہا ہے۔

تصدیقِ قلبی اور عملِ قلبی

الایمان قولٌ وعملٌ | یہ ایک مانی ہوئی اور معلوم بات ہے کہ انسان بعض اوقات حق اور باطل کو پہچانتا ہے تاہم کسی خاص عرض کے لیے حق کو تسلیم کرنا اس پر شاق ہوتا ہے اور وہ اس کو مستغرض سمجھتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جو شخص ازراہ تجربہ حق کا انکار کرتا ہے وہ دل میں بھی اس کی حقانیت کا قائل نہ ہو لہذا ہم کہتے ہیں کہ ایمان کی حقیقت فقط تصدیقِ قلبی کا نام نہیں بلکہ عملِ قلبی بھی اس میں شامل ہے جس کی پہلے تشریح کی گئی ہے اس لیے سلف صالحین فرمایا کرتے تھے کہ **الْإِيمَانُ قَوْلٌ وَعَمَلٌ**

ایمان کا مقتضی | اب تم یہ سمجھ لو کہ جب دل میں تصدیقِ کامل کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت بھی بدرجہ اتم موجود ہو جو بہر حال ایمان کا مقتضی ہے تو یقیناً اس محبت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے دل میں اعمالِ صالحہ کے لیے جازم ارادہ پیدا ہوگا۔ اس حالت میں اعمالِ صالحہ کا ظہور میں آنا قطعی ہے کیونکہ جازم ارادہ کے ساتھ اگر قدرتِ علی العمل بھی موجود ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ عمل جس کا ارادہ کیا گیا ہے ظہور میں نہ آئے کیونکہ یقینِ کامل کے ساتھ اعمالِ صالحہ لازمی ہیں۔

ارادہ اور قدرت کی کمزوری | کسی عمل کے وجود میں آنے سے صرف دو باتیں مانع

ہو سکتی ہیں۔ ناقص اور کمزور ارادہ اور ناقص قدرت لیکن اگر ان دونوں صفات میں کوئی نقصان نہیں تو انعال اختیار کا وجود میں آنا تطبیعی اور لازمی ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ جب دل اس بات کا قائل ہے کہ حضرت محمد اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ کی محبت بھی علیٰ اکمل قلب میں موجود ہے تو ممکن نہیں کہ وہ شخص باوجود قدرت کے زبان سے اقرار نہ کرے۔ یہ اور بات ہے کہ گزرتگا ہونے کی وجہ سے یا کسی دوسرے عذر کی بنا پر وہ زبان شہادت کا اظہار کرنے سے قاصر ہو ورنہ دلی جذبات کا اقرار لسانی ضروری ہے۔

نقص تفتین ابی طالب | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کو اگرچہ اس بات کا یقین تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں۔ ساتھ ہی اس کو آپ سے محبت بھی تھی لیکن اس کی یہ محبت اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں تھی بلکہ اس کی محبت خون کے تعلق پر مبنی تھی کیونکہ آپ اس کے بھتیجے تھے اور وہ آپ کا غلبہ اور تفوق اس لیے نہیں چاہتا تھا کہ آپ خدا کے رسول ہیں بلکہ اس لیے کہ آپ کے غلبہ اور تفوق حاصل کرنے میں خود اس کی اپنی عزت اور تفوق کا راز مضمر تھا لیکن جب اس کی موت کا وقت قریب آگیا اور دنیاوی تفوق کے متعلق اس کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں تو اس نے اپنے آبا و اجداد کے دین پر قائم رہنے کو بھتیجے کی رضامندی حاصل کرنے پر ترجیح دی اور توجید و رسالت کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کی محبت ابو بکر صدیق، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر مومنوں کی طرح نہیں تھی جو آپ کو اس لیے محبوب سمجھتے تھے کہ آپ خدا کے برگزیدہ سچے رسول ہیں۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اقرار ہے:

لے جلا مفسرین کے نزدیک یہ آیت حضرت ابو بکر کے حق میں نازل ہوئی ہے اور آپ کا سامان و دولت زمانے الہی کے حصول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقف تھا۔ (ناشر)

وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ○ الَّذِي يُرْتَبِئَ مَالَهُ يَتَّقِ كَثْرَةَ مَا لِأَحَدٍ عِنْدَكَ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ○ إِلَّا أَنْبَعَاءُ فَاجِهِ مَأْتِيهِ الْأَعْلَى ○ وَالسُّوفَ يُنْضَى ○

عنقریب اس دوزخ سے وہ بڑا پرہیزگار بچا لیا جائے گا جو اپنا مال ترکہ حاصل کرنے کو دیتا ہے اور کسی کلمہ پر احسان نہیں تھا کہ اس کا وہ بدلہ آتا رہتا ہے۔ صرف اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کو خرچ کرتا ہے۔ وہ جلد راضی ہو جائے گا۔

(اللیل : ۲۱ تا ۲۴)

اور یہی وجہ تھی کہ ابوطالب کے تمام اعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سرسپتی اور آپ کی نصرت و تائید سب اکارت ہو گئے کیونکہ ان اعمال سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا اس کا مقصود نہیں تھا۔

ضرورتِ ایمان اور توحید | اس سے صاف اور واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ایمان اور توحید میں تصدیقِ قلبی کے ساتھ ساتھ عملِ قلبی کی بھی ضرورت ہے پس دینِ خالص وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور دینِ کامل نہیں ہوتا جب تک اس کے ساتھ عمل کی تصدیق شامل نہ ہو کیونکہ دینِ اطاعت اور عبادتِ الہی کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں دو سورتیں توحید کے بارے میں نازل فرمائی ہیں، ایک سورہٴ اخلاص اور دوسری سورہٴ الکفر دون۔ ان میں سے پہلی سورت توحیدِ عملی اور توحیدِ قولی پر مشتمل ہے جسے فرمایا:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ○ اللَّهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ○

(پلے نبی!) فرمادیں گے اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ کوئی اس کا باپ اور نہ اس کا کوئی ثانی و ہمسر ہے۔

اور دوسری سورہ کا مضمون ارادہ اور عمل کی توحید ہے جیسے فرمایا:

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ○
 لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ○
 وَلَا أَنْتُمْ عِبُدُونَ مَا
 أَعْبُدُ ○ وَلَا أَنَا عَابِدُ
 مَا عَبَدْتُمْ ○ وَلَا أَنْتُمْ
 عِبُدُونَ مَا أَعْبُدُ ○
 لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ○
 (الکافرون: ۶)

اسے نبی اکبر دو کلمے قوم کفار! میں
 اس کی پرستش نہیں کرتا جس کی تم
 عبادت کرتے ہو اور تم اس کی عبادت
 نہیں کرتے جس کو میں پوجتا ہوں اور
 نہ میں اس کی عبادت کروں گا جسے تم
 پوجتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے
 والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں
 تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

پہلی سورہ میں ان صفاتِ علیا کا بیان ہے جس سے علمی توحید کے مختلف پہلو واضح
 ہوتے ہیں اور دوسری میں غیر اللہ کی عبادت سے بیزاری کا نہایت شوکارا اظہار ہے اور
 یہ کہ عبادت خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔



توکل اور عبادت کا مفہوم

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں، بعض الفاظ مثلاً "ایمان" وغیرہ ایسے ہیں کہ جب کسی دوسرے لفظ مثلاً "اسلام" وغیرہ کے مقابلے میں مذکور ہوں تو ان کا مفہوم محدود ہوتا ہے لیکن اللہ استعمال کیے جانے کی حالت میں ان کا مفہوم بہت وسیع ہوتا ہے۔ اسی طرح "عبادت" کا لفظ بھی اگر توکل وغیرہ سے علیحدہ استعمال کیا جائے تو توکل اور دوسرے مقادیر اس کے مفہوم میں داخل سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○
 پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں
 (الزلزلات: ۵۶)

اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا | اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو۔
 مَا تَبَعُكُمْ ○
 (البقرہ: ۲۱)

یہاں جو عبادت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ تمام مامورات کی بجا آوری اور تمام منہیات سے باز رہنے کے مفہوم پر مشتمل ہے لیکن ایک دوسری جگہ توکل کو اس پر عطف کیا گیا ہے جو مخالفت کی دلیل ہے۔ فرمایا ہے:

فَاعْبُدُوا | اے لوگو! تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی پر
 مَا تَبَعُكُمْ ○
 (النحل: ۱۳۳)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ
نَسْتَعِينُ (الفاتحہ)

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور
تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

یہاں عبادت کا مفہوم محدود ہے۔

معانی عموم و خصوص | وہ الفاظ جو کبھی عزم اور کبھی خصوص کے معنی دیتے ہیں منجملہ ان کے
ایک لفظ منکر ہے جو اکثر معروف کے مقابلے میں استعمال ہو کر عموم کے معنی دیتا ہے مثلاً
مسلمانوں سے خطاب ہے کہ ان کا اصلی مشن کیا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
(آل عمران: ۱۱۰)

تم سب امتوں میں بہتر ہو جو لوگوں
کے لیے بھیجے گئے ہو۔ اچھے کاموں
کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے
روکتے ہو۔

یا جیسے رسول خدا کو حکم ہوا کہ پیر و لصاڑے سے اس طرح خطاب کریں:

يَا مُدْرِكُ الْمُعْرُوفِ
وَيَنْهَاهُمُ عَنِ الْمُنْكَرِ
(الاعراف: ۱۵۷)

آپ ان کو نیک کام کا حکم کریں اور
برے کاموں سے منع کریں۔

یعنی ہر ایک ایسی بات کہ عقل، شرع اور فطرت اس کا انکار کرے اور اس کو برا
سمجھے اسے منکر سے تعبیر کیا ہے، اس میں ہر قسم کی بے حیائی بھی داخل ہے لیکن
ذیل میں بے حیائی کو اس کا معطوف علیہ بنایا ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ منکر
کو محدود مفہوم کے لیے استعمال کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ الْمَلَأَةَ تَنْهَى عَنِ
الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ
| بشک نازکی پابندی انسان کو بھائی
اور دوسرے برے کاموں سے روکتی ہے۔

(العنکبوت: ۲۵)

اور فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَالِإِيتَاءِ ذِمَّتِ الْقَدْبِ بِي وَ يَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ

بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم انصاف کرو، احسان کرو، رشتہ داروں کو کچھ دیا کرو اور بے حیائی اور برے کاموں سے بھی وہ تم کو منع کرتا ہے۔ (النحل: ۹۰)

اسی طرح فقرہ اور مساکین کا لفظ اگر ساتھ ساتھ استعمال کیا جائے تو ان دونوں کے مفہوم میں فرق ہوتا ہے لیکن الگ الگ استعمال ہوں تو ایک کا مفہوم دوسرے کے مفہوم میں داخل سمجھا جاتا ہے۔

مفہوم محبت، توکل، خوف | الغرض خالص اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھنا فقط اسی کی ذات پر بھروسہ کرنا، صرف اسی سے ڈرنا اور کسی دوسرے کا خوف دل میں نہ لانا، یہ سب باتیں توحید کے مفہوم میں داخل ہیں۔ محبت کے بارے میں یہ آیت کئی بار پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ إِندَادًا يُحِبُّنَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو اس کا شریک بنا لے ہیں اور ان کے ساتھ خدا کی طرح محبت رکھتے ہیں لیکن جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔

(البقرہ: ۱۶۵)

اور فرمایا:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَمْوَالٌ كَثِيرَةٌ تَبْتَغُونَ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ الَّذِي هُوَ عَظِيمٌ

(اے نبی!) ان سے کہو کہ اگر تمہارا باپ اور تمہارے بیٹے اور بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز واقارب اور

اَقْتَرْتُمْوهَا فَيَتَجَمَّعْنَ كَا
تَعْمُشُونَ كَسَادَهَا فَمَسَاكِينُ
تَسْ مِنْهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ
مِنَ اللَّهِ فَا مَّا سَأَلَهُ وَ
جِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا
حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ
التوبہ: ۲۴

تمہارا جمع کیا ہوا مال اور تمہاری تجارت
کہ جس کی کساد بازاری کا خوف رکھتے ہو
میں تمہارے پسندیدہ مکان اگر تمہیں اللہ
اور اس کے رسولؐ سے اور اللہ کے
صستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب
ہیں تو اس وقت کے منتظر رہو جبکہ
اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو تمہارے سامنے لائے۔

اور فرمایا:

وَ مَنْ يَطِغْ اللَّهُ فَا مَّا سَأَلَهُ
وَ يَخْشَى اللَّهَ فَا يَتَّقِ
فَا لِلَّهِ هُمُ الْفَائِزُونَ
(التور: ۵۲)

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت
کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی
خاطر پر ہیز گاری کرے پس ایسے لوگ
ہی کامیاب ہوں گے۔

یہاں اطاعت کو اللہ اور رسولؐ دونوں کے لیے بیان فرمایا ہے اور نخشیت اور
تقوے کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر رکھا۔ اور فرمایا:

وَ لَنْ أَنَّهُمْ مَرْضُوا أَمَّا
أَتَاهُمْ اللَّهُ فَا مَّا سَأَلَهُ وَ
قَالُوا أَحْسَبْنَا اللَّهَ سَيُؤْتِينَا
اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَ مَّا سَأَلَهُ
إِنَّا إِلَى اللَّهِ مَارِعُونَ
(التوبہ: ۵۹)

اور اگر وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے
دیے ہوئے پر راضی ہو جاتے اور کہہ
دیتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اور
اس کا رسولؐ اپنے فضل سے جلد ہی
اور زیادہ دے دیں گے اور ہم اللہ کی
طرف ہی راغب ہیں۔

اور فرمایا:

فَاذْأَفَنَّا غَتَّ فَاَنْصَبَ ۝ (لمے نبی! جب (تبلغ سے) فراغت
 وَآلِي مَن بَلَكَ فَاَنْ غَبَّ ۝ پاؤ تو ریا صنت کرو اور اپنے رب کی
 (الانشریح: ۸۷۷) طرف رخصت کرو۔

یہاں ریا صنت اور رخصت صرف اللہ کے لیے قرار دی۔

دوسری جگہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھنے کے نتیجے کو ان الفاظ میں ظاہر

فرمایا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ ۝ تم کوئی ایسی قوم نہیں پاؤ گے جو اللہ تعالیٰ
 بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے
 مَن حَادَّ اللَّهَ فَاِنَّ سُوْلَهُ ہوں اور پھر وہ ان لوگوں سے محبت
 وَ لَنْ كَانُوْا اَبَاءَهُمْ اَنْ کریں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول
 اَبْنَاءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ کی مخالفت کرتے ہیں چاہے وہ
 اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ لوگ اس کے سگے باپ یا بھائی ہوں
 یا ان کے عزیز رشتہ جگہ یا قبیلہ کے

آدمی ہوں۔

(المجادلہ: ۲۲)

توکل کے متعلق کئی جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَ عَلٰى اللّٰهِ فَتَوَكَّلْ ۝ اِنْ اِن ۝ اگر تم سو من ہو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی
 كُنْتُمْ مَوْتًا مِّنِيْنَ ۝ کی ذات پر بھروسہ رکھو۔ (المائدہ: ۲۳)

خشیت کے باب میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ يَخْشَوْنَہُ ۝ وَلَا يَخْشَوْنَ ۝ (اللہ کے رسول) اللہ ہی سے ڈرتے
 اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ۝ ہیں اور سوائے اللہ کے اور کسی کا
 (الاحزاب: ۳۹) خوف دل میں نہیں لاتے۔

ان سب باتوں کا ذکر ہم نے کسی دوسری جگہ پر پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔
خلاصہ بحث یہاں پر ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس قول میں لا الہ الا انت
توحید الوہیت کا اعتراف ہے اور اس کے مفہوم میں قلب کی تصدیق اور اس کا عمل
دونوں شامل ہیں۔ مشرکین عرب کو اس بات کا اقرار تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی سب اشیاء کا
خالق اور رازق ہے لیکن وہ الوہیت میں دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے تھے
حالانکہ توحید الوہیت کے یہ معنی ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی عبادت نہ کی
جائے اور سوائے اس کے کسی اور کو قبلہ حاجات نہ ٹھہرایا جائے۔ روزِ مہر ایک
نازکی ہر ایک رکعت میں اِيَّاكَ نَعْبُدُكَ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کہہ کر اسی عقیدہ کا
اظہار اور اس کی تجدید کی جاتی ہے۔

نام نہاد صوفیہ کو نصیحت

غیر مشروع توجہات بعض اوقات آدمی صرف اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے اور
اسی کی ذات پاک پر اس کا بھروسہ ہوتا ہے لیکن اس کا یہ سوال اور اس کا یہ توکل ان امور
کی بابت ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا، بلکہ ان سے اس کو منع فرمایا ہوتا ہے
اس سے ہماری مراد وہ نام نہاد صوفیہ ہیں جو غیر مشروع توجہات کے حامل ہیں اور ان
کا کشف اور تصرف ان امور سے تعلق رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے
خلاف ہیں۔

ان کا صحیح نظر اکثر ان میں سے اللہ ہی سے مدد کے خواہاں ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ
اور اس کے رسول کی اطاعت نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ دنیاوی زندگی میں کامیاب

مُسُوْمِيْنَ ○ | حاصل کرنا ان پر لازم ہے۔

سَالِكِيْنَ رَاهِ كِي كُتَا هِيَاں | بعض دوسرے لوگوں کا نصب العین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ہوتی ہے لیکن توکل اور استعانت باللہ کے مقام سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو اپنی نیک نیتی اور خدا و رسول کی اطاعت کا یقیناً ثواب ملے گا لیکن جب تک وہ اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرنے اور اسی کی ذات پاک پر بھروسہ رکھنے میں ثابت قدم نہ ہوں، اولاً تو ان کی کامیابی شکوک ہے اور اس لیے بعض ان میں آٹھائے سلوک میں ہی ہمت ہار جاتے ہیں۔ ثانیاً اگر وہ منزل مقصود تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہو جائیں تو خود بینی میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید سے محروم رہ جائیں۔ انہی حالتوں پر یہ آیت شریفہ صادق آتی ہے:

وَ يَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبْتَكُمْ
كُنْتُمْ كَافِرًا فَهَارُونَ
عَنْكُمْ شَيْئًا وَ مَا كُنْتُمْ
عَلَيْكُمْ بِالْمُرْسَلِينَ
مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ لِيَبْأَنَّ
اللَّهَ أَكْبَرُ ○ (التوبة: ۲۵)

اور جب جنگ حنین کے دن تم کو تمہاری کثرت نے مغرور کر دیا تو تمہیں کوئی چیز کفایت نہ کر سکی اور (بہ سبب شکست کے) زمین بھی تم پر تنگ ہو گئی اس لیے کہ تم نے خدا کا توکل چھوڑ دیا پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔

اس کے بعد فرمایا:

ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مَنِ الْبَعْدِ
ذَلِكَ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَ
اللَّهُ عَفُوٌّ رَحِيمٌ ○

پھر اللہ اس کے بعد جس کی چاہے گا اپنی رحمت سے توبہ قبول کرے گا اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

امراضِ رِیَاہِ عَجَبِ كَا عِلَاجِ | اکثر اوقات ریا اور عجب (نمود اور خود بینی) کی صفت ایک ساتھ نمودار ہوتی ہے کیونکہ ان کی حقیقت ایک دوسرے کے قریب

قریب ہے۔ رہا میں کسی دوسری مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنایا جاتا ہے اور
عجب میں اپنے نفس کو خدا کا شریک مٹھرایا جاتا ہے۔ اَيَّاكَ نَعْبُدُ پہلے مرض کا علاج
ہے اور اَيَّاكَ نَسْتَعِينُ دوسرے روگ کے استیصال کے لیے ہے۔ صحیح حدیث
میں وارد ہوا ہے کہ:

<p>تین چیزیں انسان کو ہلاک کر دیتی ہیں سجھل اور حرص کے محرک پر عمل کرنا، خواہش نفس کی پیروی کرنا اور خود میں ہو جانا۔</p>	<p>ثَلَاثٌ مُّمْلِكَاتٌ شَحْ مَطَاعٌ وَ صَوَى مُسْبِعٌ وَ اِعْجَابُ النَّوْءِ بِنَفْسِهِ</p>
---	--

جھوٹے پیروں کا فرقہ | ان دونوں فرقوں سے بدتر ایک اور فریق ہے جن کی نہ تو
عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ سے استعانت کرتے ہیں، ان
کی عبادت غیر اللہ سے ہوتی ہے۔ اس لیے یہ لوگ دونوں لحاظ سے مشرک ہیں۔ انہی
میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جو شیاطین سے استعانت کرتے ہیں اور ایسے اعمال بجا
لانے ہیں جن کو شیاطین پسند کرتے ہیں مثلاً کذب اور فحور۔ نیز وہ ان الفاظ میں دعائیں
کرتے ہیں جن کو شیطان القار کا نتیجہ کہیں تو بجا ہوگا اور ایسے عملیات کا ورد کرتے ہیں
جن کی وجہ سے شیطان ان کے مطیع ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات ان لوگوں سے اس
قسم کے افعال سرزد ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھ پر ایسے واقعات اور کیفیات ظہور میں
آتی ہیں جن کو ان کے معتقدین خارق عادت ہونے کی وجہ سے ولایت اور کرامت

یعنی جو کام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا چاہیے تھا وہ دوسروں کی نائش کے لیے کیا جاتا ہے۔
لہذا خدا کے تعالیٰ کی تائید اور اعانت اور اس کی توفیق اور عنایت اس کو ملحوظ نہیں رہتی، بلکہ
وہ اپنی ہی قوت پر نازاں ہوتا ہے اور تاروں کی طرح کھٹے لگتا ہے:

اِنَّمَا اُنْ نَبِئْتُهُ عَلِيَّ عَلِمَ عَمْدِي

خیال کرتے ہیں لیکن درحقیقت وہ سحر اور کھانت کی ایک قسم ہے۔ مومنوں کو چاہیے کہ وہ احوال ایمانیہ اور احوال شیطانیہ میں فرق کر لیا کریں۔

عقیدہ اہل توحید | پوچھتی جماعت اہل توحید کی ہے جن کا دین خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔ وہ اسی کی عبادت کرتے اور اسی کی ذات پاک پر بھروسہ رکھتے ہیں کسی مصیبت زدہ کا یہ قول کہ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ اس کے قائل کے مد نظر ایک ہی قسم کی توحید ہو (شلاً توحید ربوبیت) لیکن جس پر اللہ تعالیٰ کی نظر عیادت ہو، وہ دونوں قسم کی توحید کو ملحوظ رکھتا ہے۔ جو مصیبت زدہ اور صاحبِ حمت شخص لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ کہتے ہوئے صرف اس بات کا استحضار کرتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ اور کوئی بھی ضرر کا دافع کرنے والا نہیں، اور نعمتیں بھی وہی نازل فرماتا ہے تو اس کا یہ عقیدہ توحید ربوبیت پر مبنی ہے۔ سوال طلب اور توکل کے لحاظ سے بھی وہ موحد ہے لیکن توحید الوہیت کا مقام اس سے بالاتر ہے۔

توحید الوہیت کا مقتضی یہ ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی عبادت نہ کرے اور نیز اس کی عبادت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعلیم کے موافق اور ان کی اطاعت پر مبنی ہو۔ ایسا شخص اس آیت شریفہ پر عامل ہے

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ | اسی کی عبادت کرو اور اسی پر
(ہود: ۱۲۳)

اور فرمایا:

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ
أُنِيبُ ○
میرا اسی (خدا کی) ذات پر بھروسہ
ہے اور اسی کی طرف مجھے لوٹ کر
جاتا ہے۔ (ہود: ۱۱)

اور فرمایا:

وَ اذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ الَّذِي
تَبَتَّلُ عَلَيْهِ بُنْيَانًا ۝
رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَتَّخِذْ
وَ كَيْلًا ۝ (مزل: ۹۰، ۸۱)

اور یاد کر نام اپنے پروردگار اور بھک
جا اس کی طرف پورا بھکنا، وہی رب
ہے مشرق اور مغرب کا نہیں ہے
کوئی معبود اس کے سوا۔ پس اسی
رب کو اپنا کارساز نہ بچڑ۔

ایسے شخص کا مطلوب اگر کوئی حرام چیز ہے تو اس کے لیے سوال اور طلب کرنے
کی وجہ سے گناہ ہوگا چاہے اس کی حاجت پوری ہو جائے اور اگر وہ کسی مباح چیز کا طلبگار
ہے تو اس کے لیے ثواب یا عذاب کچھ نہیں لیکن اگر وہ کسی ایسی چیز کو خدائے تعالیٰ سے
مانگتا ہے جو عبادت میں اس کے لیے معاون ہے تو بے شک ایسے شخص کو اجر ملے گا۔

بندہ پیغمبر اور بادشاہ پیغمبر

آنحضرت کی ترویج | اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ بندہ پیغمبر اور بادشاہ پیغمبر میں کیا فرق
ہے؟ وہ حدیث تمہیں یاد ہوگی جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو اختیار دیا گیا کہ وہ بندہ اور پیغمبر ہو کر رہیں یا بادشاہ پیغمبر کی زندگی بسر کریں چنانچہ آپ نے
بندہ پیغمبر کی زندگی کو ترجیح دی۔

حکم مرسل کی تعمیل و تبلیغ | بندہ پیغمبر کے یہ معنی ہیں کہ اس کے تمام حرکات و سکنات
اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتے ہیں۔ وہ کوئی ایسا فعل نہیں کرتا جس کی بابت اللہ
تعالیٰ کی طرف سے اس کو حکم نہ دیا گیا ہو۔ اس لیے بندہ پیغمبر کا ہر ایک فعل، حرکت اور

سکون عبادت ہے، وہ محض بندہ ہوتا ہے جس کا یہ کام ہوتا ہے کہ اپنے مرسل کے احکام کی تعمیل اور مبلغ کرے۔

صبح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول منقول ہے کہ:

<p>انی ۱۱۱ لا اعطی احدا ولا ائمنع احدا ۱۱۱ انسا انا قاسم اصنع حیث امرت</p>	<p>خدا کی قسم! میں نہ کسی کو کوئی چیز دیتا ہوں اور نہ ہی کسی چیز کا دینار روکتا ہوں۔ بیشک میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں جو کچھ مجھے حکم ہوتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں</p>
--	--

آپ کا منع اور عطا آپ کا یہ قول کہ کسی کو کچھ نہیں دیتا اور نہ ہی کسی چیز کا دینار روکتا ہوں۔ اس بنا پر نہیں کہا گیا کہ قضاء و قدر نے آپ کو مسلوب الاختیار کر رکھا ہے کیونکہ جہاں تک قضاء و قدر کا تعلق ہے اس میں سب برابر ہیں۔ آپ کی کچھ بھی خصوصیت نہیں، بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ شرعاً دینے یا نہ دینے میں میرا کچھ دخل نہیں۔ بالفاظ دیگر میں اسی کو دیتا ہوں جس کے دینے کا مجھے حکم ہوتا ہے اور وہی چیز کسی سے روکتا ہوں جس کے روکنے ہی کا مجھے حکم دیا جاتا ہے، یعنی جس طرح میرے تمام افعال اور حرکات اس کی قضاء و قدر کی صفت تکوین کے ساتھ وابستہ ہیں اسی طرح میرے تمام حرکات و سکنات (دینا اور نہ دینا وغیرہ وغیرہ) اس کے احکام تشریحی کے تحت تنفیذ ہیں۔ الغرض میں عطا اور منع دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام کا انتظار کرتا ہوں اور حکم ملنے پر اس کی تنفیذ کرتا ہوں۔ اس وقت صدقہ اور اموالِ غنیمت وغیرہ کو اپنی رائے کے موافق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم کرتا ہوں۔

فقہاء کی غلط توجیہیں | اسی سلسلہ میں یہ نکتہ بھی یاد رکھو کہ قرآن کریم میں جہاں مال کی اضافت اور نسبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف کی گئی ہے، اس کا یہ مطلب ہے کہ اس مال کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت میں خرچ کیا جائے

اور جیسے کہ بعض فقہاء کا قول ہے کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ مال کی تکوین اور تخلیق کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا ہے کیونکہ اس لحاظ سے تو ہر ایک مال اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ مال غنیمت کی کیا تخصیص ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ (الأنفال: ۱۱)

اسے نبی! فرمادیکھے، مال غنیمت تو اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے۔

اور فرمایا:

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّن شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَاللِّسُّوْلِ (الأنفال: ۴۱)

لوگو! تم ایک بات کو بخوبی سمجھ لو کہ جو کچھ مال و دولت غنیمت کے طور پر تم کو حاصل ہو تو بلاشبہ اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِن خَيْلٍ وَلَا مِا كَابِ (الأنفال: ۵۵)

اور جو مال فے اللہ نے اپنے رسول کو دلایا ہے اس طرح ہر کہ تم کو اس پر گھوڑے اور اونٹ و درڑا کر فوج کشی نہ کرنی پڑی (بلکہ) بلا محنت و مشقت حاصل ہوا ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَاللِّسُّوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبَىٰ (الحشر: ۶)

(نبی! فیر خیر والوں کی بستی ختم ہوئی) تو اس سے جو مال بغیر لڑائی کے حاصل ہوا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے تاکہ ذی القربی کو دیا جائے

اسی طرح یہ بھی مراد نہیں کہ وہ مال رسول کی ملک ہے جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے۔ جن فقہار کا یہ قول ہے انہوں نے متعدد وجوہ سے غلطی کی ہے۔

۱۔ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اموال غنیمت اور دیگر اموال کے نہ تو اس طرح مالک تھے جس طرح عام لوگ اپنی کسی ملوک چیز کے مالک ہوتے ہیں، اور نہ ہی وہ آپ کو حقیقی تصرف حاصل تھا جو بادشاہوں کو نساہی خزانے کا مال صرف کرنے کی بابت حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ عام لوگ اپنے اموال کو اپنی ذاتی اخراجات حصول کے لیے خرچ کرتے ہیں اور بادشاہ اور سلاطین اپنی اور اپنے وزراء کی رائے اور صوابدید کے مطابق مصالح ملک و ملت کو ملحوظ رکھ کر اپنے خزانہ کو صرف میں لاتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندہ پیغمبر ہونے کی وجہ سے اس قسم کا تصرف نہیں کرتے تھے بلکہ عطا اور منع دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل درآمد فرماتے تھے اس لیے آپ کی ہر حرکت اور سکون عبادت تھی۔ بعض فقہار کا خیال ہے کہ رسول اللہ کو خمس میں تصرف کرنے کا حق حاصل تھا، جیسے امام شافعی، امام احمد اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے اقوال میں پایا جاتا ہے لیکن یہ غلط ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مال، میراث کے طور پر ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں کیا جاتا۔ اس حکم میں تمام انبیاء یکساں ہیں، چاہے وہ بادشاہ پیغمبر ہوں یا بندہ پیغمبر اور کوئی نبی یا رسول مال کا مالک نہیں ہوتا جس طرح دوسرے عام لوگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کا مال میراث کے طور پر تقسیم ہونے سے یہ امر زیادہ واضح ہوتا ہے۔ اب تم خود سوچ لو کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جو بادشاہ پیغمبر نہیں بندہ پیغمبر تھے کس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی مال آپ کی ملک تھا اور اگر آپ بادشاہ پیغمبر ہوتے تو آپ کو

مصالحتِ ملکی میں خرچ کرنے کا حق حاصل ہوتا جیسے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا حال تھا۔ فرمایا:

هَذَا عَطَاءٌ نَا فَأَمْسُجُ اَنْ | یہ ہماری بخشش ہے اب تم جس کو
اَمْسِكُ بِغَيْرِ حِسَابٍ | چاہو بخش دو یا روک دو۔ یہ بے حساب
(ص: ۳۹)

۳۔ تیسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان اور اپنے عیال پر بقدرِ ضرورت خرچ کرتے اور باقی سب مال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے راہِ خدا میں صرف فرماتے تھے اپنے پاس کچھ بھی ذخیرہ نہیں فرماتے تھے لیکن تم بانتے ہو کہ عام مالکوں کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعرف میں جس قدر مال تھا وہ سب اللہ اور رسول کا مال تھا جس کے یہ معنی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرتے اور اللہ تعالیٰ ہی کے احکام کے موافق اس کی تقسیم فرماتے تھے۔

۴۔ آنحضرتؐ کا اجتہاد اور حکمِ مرتجع | چوتھے البتہ جن اموال کو وہ اس طرح مستحقین میں تقسیم فرماتے وہ دو قسم کے تھے:

۱۔ ایک وہ جن کے معرفت کی بابت آپ کو مرتجع حکم ملتا۔

۲۔ دوسرے وہ جن کا معرفت کرنا آپ کے اجتہاد اور ضوابط پر موقوف کیا جاتا۔

جیسے کہ دوسرے امورِ شرعیہ میں بھی بعض چیزیں یعنی ان کے احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین اور محدود ہوتے ہیں مثلاً نماز چنگا نہ اور سال بھر میں ایک مہینہ کے روزے رکھنا وغیرہ۔ لیکن بعض چیزوں کے متعلق مخصوص وقت اور مخصوص مکان کو ملحوظ رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد کے بموجب عمل پیرا ہوتے تھے لیکن یاد رہے کہ یہ اجتہاد بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق

اور اس کی طرف سے تلقین پر مبنی ہوتا تھا مثلاً بیوی کا نفعہ شرع کی طرف سے بلحاظ مقدار اور نوعیت کے مقرر نہیں بلکہ اس کی مقدار اور اس کی نوعیت کی تعیین عرف پر چھوڑ دی گئی ہے جو لوگوں کے مختلف طبقات کے مختلف طرز پر معاشرت کا لحاظ کر کے کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ جمہور فقہاء قول ثانی کے مؤید ہیں اور یہ درست ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند سے فرمایا تھا:

خُذْنِي مَا يَكْفِيْنِيكَ وَوَلَدَكَ | اس قدر کھان لے لو جو تمہارے لیے

اور تمہارے بچے کے لیے کافی ہو (دستور)

کے مطابق |

نیز عرفہ کے دن خطبہ میں فرمایا:

لِلنِّسَاءِ كَسَتْ تُسْتَهْنُ وَنَفَقَتُهُنَّ | عورتوں کے لیے کپڑا پہنانا اور انہیں

ننان نفقہ و سنور کے مطابق دیا جائے۔

بِالْمَعْرُوفِ

صواب دید رسول اور حکم الہی | الغرض جن امور کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ

علیہ وسلم کی طرف اضافت اور نسبت کی گئی ہے اس کی تقسیم اور اس کا اعطاء و منع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صواب دید پر منحصر ہے برخلاف اس کے بعض اموال

مستحقین کو تو اللہ تعالیٰ نے معین فرمادیا ہے۔ اور ان کا حصہ بھی معلوم کر دیا ہے جس میں

کئی بیشی کا احتمال نہیں۔ مثلاً مال میراث کی تقسیم۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے جنگِ حنین کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

لَيْسَ لِي مِمَّا آفَاءَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ | جو کچھ تم کو اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت دیا

ہے اس میں میرا کچھ بھی نہیں۔ البتہ

اس کا یا پانچواں حصہ میرا ہوتا ہے اور

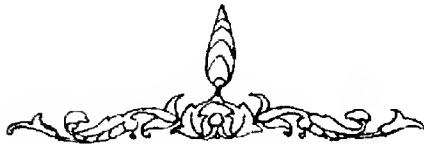
وہ بھی تم پر لوٹا دیا جاتا ہے۔

إِلَّا الْخُمْسُ وَالْخُمْسُ

مَنْ دُوْدَ عَلَيْكُمْ

اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ ۱/۳ حصہ مال غنیمت کا حکم تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم اور معین ہے کہ وہ ان لوگوں کا حق ہے جو واقعہ میں حاضر تھے صرف ۱/۳ حصہ ایسا ہے جس کا صرف کرنا میرے اجتہاد اور صوابدید پر رکھا گیا ہے اور یہی وجہ تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو اس خمس میں تصرف کرنا خلفائے راشدین کا حق قرار پایا جس کو وہ اپنی صوابدید کے مطابق مستحقین میں تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ بنی کریم نے جنگِ حنین کے موقع پر کچھ مال غنیمت تالیفِ قلوب کے لیے دیا اور فرمایا، یہی خمس اور مال غنیمت کی اصلی تقسیم ہے یہ دراصل مومنین کے دلوں کو خوش کرنے کو فرمایا، اور اسی لیے جب انصار میں سے کسی نے الزام لگایا اور جب الزام رفع ہوا تو آپ نے لے ہی جواب دیا اور انہیں انعام دینا چاہا۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ مال غنیمت تقسیم سے قبل غازیوں کی ملکیت نہیں ہوتی اور یہ اہم المسلمین کا حق ہے کہ وہ اپنے اجتہاد اور صوابدید سے خرچ کرے۔



پانچواں باب

دُعائے یونس اور توحید الوہیت

عبادت اور دعا کا مفہوم | یہ ایک طرف للباب بات در میان میں آگئی تھی۔ دراصل بتایا یہ تھا کہ جو خدا نے تعالیٰ کے سچے بندے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے اور اسی سے اعانت طلب کرتے ہیں اور اِيَاكَ نَعْبُدُ وَاِيَاكَ نَسْتَعِينُ کے مضمون پر کما حقہ عمل پیرا ہوتے ہیں اور توحید ربوبیت اور توحید الوہیت دونوں ان کے عقیدے اور عمل میں شامل ہوتی ہیں کیونکہ جب دونوں الٰہ الٰہ استعمال ہوتی ہیں تو دوسری کے مفہوم کو لیے ہوتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اَعُوْذُ بِالنَّاسِ | کہہ دیجئے اے نبی! میں لوگوں کے
 رُوْدِگار، لوگوں کے بادشاہ اور
 النَّاسِ ۝ (الناس: ۳۱۷) | لوگوں کے معبود کی پناہ میں آتا ہوں۔

نیز فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ | سب تعریف اللہ ہی کے لیے
 ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔
 (الفاتحہ ۱۱)

تقدیم و تاخیر عبادت و استعانت | عبادت دراصل غایت اور مقصود بالذات ہے جس کے لیے مخلوقات کو خدا نے پیدا کیا، اور ربوبیت اور اعانت اس کے حصول اور تکمیل کا ذریعہ اور وسیلہ ہے، لیکن عبادت پہلے اس لیے مذکور ہے کہ مومن

آدمی جب اِيَاكَ نَعْبُدُ يَا اِيَاكَ نَسْتَعِينُ کہتا ہے تو وہ ابتداءً عبادت کا قصد کرتا ہے اور اپنے قصد اور ارادہ کی ترجمانی اس عبارت سے کرتا ہے کہ اِيَاكَ نَعْبُدُ لیکن وہ بالیقین جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اعانت کے بغیر اس اہم مقصد میں کامیاب ہونا ناممکن ہے۔ اس لیے فوراً اس کی زبان پر يَا اِيَاكَ نَسْتَعِينُ جاری ہوتا ہے اور یہی سبب ہے کہ علت غائی اور علت فاعلی میں ایک معروف و معلوم فرق ہے۔

موزوں ترین اسماء الہی | ساتھ ہی یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ عبادت کے ساتھ اللہ کے اسم پاک کو خاص مناسبت ہے کیونکہ اس کی عبادت اس کی صفت الوہیت کا متقاضی ہے۔ لیکن سوال اور درخواست کے موقع پر رب کا اسم پاک موزوں تر ہے کیونکہ اپنے بندوں کے حوائج پورے کرنا اور اس کی اعانت کرنا اور اس کو توفیق بخشنا اس کی صفت ربوبیت کا ظہور ہے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مومنوں کی جتنی دعائیں قرآن کریم میں منقول ہیں۔ وہ سب "ربنا" اور "رب" کے لفظ سے شروع ہوتی ہیں۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت سوار کی دعا،

اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے	مَا بَنَّا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا اِنْ
نفسوں پر ظلم کیا ہے اگر تو نے ہمیں نہ	لَعَزَّ تَعْبُدْنَا وَ تَرَحُّمْنَا
بخشتا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم بہت	لَسَكُنَّا مِنْ اَلْخٰسِرِيْنَ
خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے	(الاعراف: ۲۳)

اور حضرت لوح علیہ السلام کی دعا،

اے پروردگار! یقیناً میں تیری پناہ	مَا رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ
میں آتا ہوں اس چیز کا سوال کرنے سے	اَسْئَلُكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ

(سورہ: ۴۷) | جس کا مجھے علم نہ ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا:

رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي
فَاغْفِرْ لِي (القصاص: ۱۷)

اور: رَبِّ إِنِّي لَمَّا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ
مِنْ خَبِيرٍ فَتَقَيُّ (القصاص: ۲۲)

ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من اللہ الجلیل کی دعا:

رَبِّ بِنَا إِلَيَّ أَنْسَكْتُ مِنْ
ذُرِّيَّتِي بِعَادِ خَيْرِ ذِي نَرْحِ

عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا
لِيُقَسِّمُوا لَنَا الصَّلَاةَ

(ابراہیم: ۳۷)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا:

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَاصْبِرْ لِي
مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ

بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ
(ص: ۳۵)

ہو مہنوں کی یہ دعائیں ملاحظہ ہوں

رَبِّ بِنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً
وَّ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا

عَذَابَ النَّارِ (البقرہ: ۱۹۱) | دوزخ سے بچا۔

مَا بِنَا لَا تُبْنِعْ قُلُوبَنَا لِعَدَا
 اِسے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں
 اِذْ هَدَيْتَنَا (آل عمران: ۸۰) کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دینا۔

اولی اللباب کی دعاؤں کا اس طرح ذکر کیا ہے

نَبْنَا مَا خَلَقْتَ لَهَذَا بَابِلًا
 اِسے ہمارے پروردگار! یہ سب کچھ تو
 سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ
 نئے دنیا کی گناہ پیدا نہیں کیا تیری ذات
 پاک ہے پس ہمیں عذابِ دوزخ سے
 بچالے۔ (آل عمران: ۱۹۱)

وغیرہ وغیرہ بجز آیت موجود ہیں جو سب اسی طرح شروع ہوتی ہیں۔

حضرت امام مالکؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ اس کو سخت برا جانتے تھے کہ آدمی اپنی
 دعائیں کہے: یا سیدی یا سیدی، یا حنان یا حنان بلکہ وہ فرمایا کرتے تھے
 کہ ہمیشہ انہی الفاظ سے دعا کرو جن الفاظ سے انبیاءؑ نے دعا کی ہے اور کہو: نَبْنَا نَبْنَا
داعیۃ تتخاطب الہی الغرض جب آدمی کے دل میں سوال اور درخواست کا خیال آتا
 ہو تو رب کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرنا مناسب ہوگا۔ اگرچہ سوال بھی خدا کے
 اسم "اللہ" ہی کے ذریعے کرنا مستحسن ہے۔ کیونکہ لفظ اللہ ذاتی نام ہے جو اسم رب کو
 شامل ہے لیکن جب اس کے دل میں عبادت کا خیال ہو تو پھر اللہ کا لفظ استعمال
 کرنا زیادہ مناسب اور سوزوں ہے۔ جب خدا کی تعریف کرے تو اللہ ہی کا ذکر کرے
 اور جب دعا کا ارادہ کرے تو بھی اللہ ہی کو پکارے۔

اقرار گناہ کی تقدیم و تاخیر | یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یونس
 علیہ السلام نے پہلے توحید الوہیت کا اعتراف کیا اور بعد ازاں اپنے گناہ کا اعتراف
 کیا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ لیکن آدم علیہ السلام

لہ سوال نمبر ۵ کا جواب شروع ہوا۔

کی دعائیں بغیر کسی تیبید کے گنہ اور قصور کا اعتراف ہے۔
 رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا فَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

اس میں نکتہ یہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو نزلِ عذاب سے ڈرایا تھا اور عذاب کے آثار ظاہر بھی ہو چکے تھے لیکن جب انہوں نے بچے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنا عذاب ہٹا دیا یونس علیہ السلام نے عذاب کو ٹٹا ہوا دیکھ کر یہ خیال کیا کہ اس سے وہ اپنی قوم کی نظر و میں بھوٹے ثابت ہوں گے، لہٰذا اس لیے وہ بھنجلائے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا استتار کے بغیر قوم کو چھوڑ کر پھل دیسے جس کی پاداش میں ان کے پھیل کے پیٹ میں چلے جانے کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا
 تَكُنْ كَصٰحِبِ الْحَوٰثِ
 (القصص: ۲۸)

(اے محمد!) اپنے پروردگار کے حکم تک صبر کر اور پھیل (کے پیٹ میں جانے) والے کی مانند نہ ہو جاتیو۔

نیز فرمایا،

فَاَلْتَمَتَهُ الْحَوٰثُ وَ قَضٰوْا مِیْلَمٌ
 (الطفت: ۱۲۲)

پس اسے پھیل نے نکل لیا اور وہ سخت شرمندہ اور نامدوم ہوا۔

اس سے تم سمجھ گئے ہو گے کہ اس قصور کا باعث خواہش نفس تمہی، یعنی وہ نہیں چاہتے تھے کہ جھوٹے ثابت ہوں اور قوم کے سامنے ان کی سبکی ہو جس قوم کی بتا۔ خواہش نفسانی کے اتباع پر ہو اس میں ایک گونہ شرک پایا جاتا ہے۔ اس لیے سب

لہٰذا حضرت یونس کو اپنی قوم کے خلاف تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور ایمان لانے کا غالباً علم نہ تھا۔ لہٰذا ایک حدیث میں ہے ما تحت ادیمر السماء الہ یعبدا عظم عندہ بقیہ برہۃ

سے پہلے (یونس کو) توحید الوہیت کا اعتراف کرنا ضروری تھا۔ اس لیے انہیں لا
 إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ کہنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا اور خواہش نفس کے بت کو پاش پاش
 کر دیا اور هُوَ مَبْلُغٌ كِى مَلاست کو اس اعترافِ حقیقت کے پانی سے دھو ڈالا اور
 پھر عرضِ حال بیان کیا۔

برخلاف اس کے آدم علیہ السلام کا قصور ان کی بے احتیاطی تھی، جس کا نتیجہ
 غلط فہمی اور اس کے بعد اتر تکابِ جرم ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیطان نے ان کے
 سامنے تمہیں کھائیں اور اپنی خیر خواہی کا یقین دلایا پھر آدم علیہ السلام اس کی دشمنی
 کو بھول گئے (سچی بے احتیاطی تھی) اور جو کچھ شیطان کہتا چلا گیا، آپٹ نے اس کو سچ مان
 لیا اور اس لیے وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ جس بات سے منع کیا گیا ہے اس
 کا سبب یہ نہیں کہ وہ بات اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے۔ شیطان نے ان کو یقین
 دلایا تھا کہ انہوں نے شجرہ ممنوعہ کا پھل کھا لیا تو وہ فرشتے بن جائیں گے (جن کا مقام اور
 رتبہ نوح انسانی کے مقام سے بالاتر ہے) اس لیے آدم علیہ السلام نے بزعم خود اپنے لیے
 ترقی و ترقی حاصل کرنا چاہا تھا اور یہ فعل ہوائے نفس کے اتباع پر مبنی نہیں تھا۔ لہذا
 توحید الوہیت کے اعتراف کی تجدید چندان ضروری نہیں تھی۔ ضروری بات یہ تھی کہ اپنی
 کوتاہی کا اعتراف کرتے چنانچہ فوراً بول اسٹے۔ مَا بَنَاظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا.....

خدا کا سچا بندہ اور حقیقی مومن [جو حالتِ یونس علیہ السلام کو پیش آئی اور ان سے
 قصور اور گناہ سرزد ہونے کا باعث ہوئی۔ ایسی حالت جس شخص کو بھی پیش آئے اس کے
 دل میں فی الجملہ تقدیر ایزدی سبباً، و تعالیٰ کے خلاف کچھ اعتراض سا پیدا ہوتا ہے کہ
 ایسا کیوں ہوا؟ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حکمت کے متعلق کسی نہ کسی شکل میں شبہات
 (بقیہ حاشیہ ۱۲۱) من هوى متبع (ترجمہ) آسمان کے نیچے سب سے بڑا بت جس کی پرستش
 کی جاتی ہے وہ نفس کی خواہش ہے جس کو عربی میں ہوائے نفس کہتے ہیں۔

ظہور میں آتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ آدمی اپنی فاسد رائے اور غلط خواہش نفس کی اپنے سے نفی کرے اور اس بات کا علم یقین پیدا کرے کہ سچی حکمت اور صحیح طور پر رحمت اور عدل کا ظہور وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظہور میں آئے۔ انسان کا علم محدود ہے اور اس کی سچی حکمتوں کا کامل ادراک نہیں کر سکتا اور اس کی رحمت اور عدل کے دقائق سمجھنے سے آدمی کی سمجھ قاصر ہے۔ خدائے تعالیٰ کا سچا بندہ اور حقیقی مومن وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام میں اپنی رائے اور اپنی خواہش نفس کو ذرہ بھی دخل نہ دے۔ کلام پاک میں ہے،

<p>(اے محمد! آپ کے رب کی قسم! وہ کبھی مومن نہیں ہوں گے، جب تک وہ آپ کے ہر ایک جھگڑے میں آپ ہی کو حاکم نہ بنائیں اور پھر جو کچھ بھی آپ فیصلہ دے دیں اس کے متعلق ان کے دلوں میں ذرہ بھی تنگی نمایاں نہ ہو اور وہ اس کو پوری طرح تسلیم کر لیں۔</p>	<p>فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝</p>
---	---

(النساء: ۶۵)

ایمان اور عاشقانِ رسولؐ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ابو حاتم رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

<p>اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص بھی اپنے آپ کو مومن خیال نہ کرے جب تک وہ اپنی خواہش نفس کو میری لالی ہوئی شرعیات کے تابع نہ کر دے۔</p>	<p>وَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ مِنْ أَحَدِكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ صَوَاهُ تَبَعًا لِمَا حُتُّ بِهِ</p>
---	--

اس آیت میں وہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے ایک ایک کر کے گن دی ہیں جو انسان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت میں مزاحم ہوتی ہیں اور بتا دیا گیا کہ اگر ان میں سے کسی ایک چیز کی بھی محبت پراڑ کر آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام سے بے اعتنائی برتے تو اس کا انجام یقیناً ہلاکت اور عذاب ہے جس کے لیے اسے منتظر رہنا چاہیے۔

محبت الہی کا جذبہ | پس جب ایمان کا مقابلہ اس قدر نازک ہے کہ ایمان اس وقت تک صحت نہیں ہو سکتا جب تک آدمی اپنے کاروبار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حکم اور منصف نہ بنائے اور پھر آپ کے ہر فیصلے پر تسلیم خم نہ کر دے، ہر خواہش رسول اللہ کی آدر وہ شریعت کے تابع ہو۔ رسول اللہ کی محبت اور جہاد فی سبیل اللہ کا دلورہ انسان کو اپنی جان کی محبت اور اپنے اہل و عیال کی محبت سے مقدم رکھنا مطلوب و مقصود ہو تو پھر اللہ عز و جل کی محبت اور اس کے حکموں کے آگے تسلیم خم کرنے کا کیا ٹھکانا؟

اظہار کراہیت و ناپسندیدگی | پس جو شخص یہ دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کرے کہ لوگ اس کے خیال میں اللہ کے عذاب کے مستحق ہو رہے ہیں اور اللہ غفور مہربم ہے اور انہیں معاف کر دے گا اور ان پر رحم کرے گا۔ اگرچہ ان کے اعمال ناپسندیدہ ہوں تو یہ بات دو حال سے خالی نہیں۔ یا وہ ارادۃً احکام الہی کی مخالفت ہوگی یا گمان ہوگا کہ علم الہی کی مخالفت ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ عليم بھی ہے اور حکیم بھی۔ جب تم بھی اس حقیقت سے آشنا ہو جاؤ گے تو کراہیت و ناپسندیدگی باقی نہ رہے گی۔ یہی ہم کو حکم دیا گیا ہے اور اسی لیے ہم کو پیدا کیا گیا۔ ہم کو یہ ہرگز نہیں حکم دیا گیا کہ ہم اسے مکروہ جانیں اور اس پر غضبناک ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ تو اسے محبوب رکھتا ہے۔ کیونکہ:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ | یقیناً اللہ تو بہ کرنے والوں اور پاک
و یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ○ | رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

پس اس قسم کی کراہیت الوہیت الہی کی کراہیت ہوگی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایسا شخص توحید الوہیت کی تجدید کرے اور لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ کے ذریعے اپنے عقیدہ باطلہ کو مٹو کر لے، ہاں کفر و فسق، عصیان و طغیان کی کراہیت سے ہمیں نہیں منع کیا گیا۔

الغرض ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنی پسندیدگی اور عدم پسندیدگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور سخط کے تابع بنائیں۔ جس بات کو وہ پسند کرتا ہے اس کو ہم بھی پسند کریں اور جو بات اس کو ناپسند ہے اس کو ہم بھی مسخرہ اور ناپسند سمجھیں اور اس کے امر اور نہی کا اتباع کریں اور اپنی رائے سے کسی چیز کو پسندیدہ یا ناپسندیدہ نہ خیال کریں۔



چھٹا باب

عصمتِ نبیاء علیہم السلام

مقصدِ تبلیغِ رسالت | یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے متعلق مذہبِ سلف کی تحقیق کی جائے۔ تبلیغِ رسالت اور احکام کو پہنچانے میں جن کے پہنچانے کے لیے اللہ سجادہ و تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں، بلا کم و کسوت پہنچا دیتے ہیں اور کبھی کوتاہی اور غلطی نہیں کرتے۔ علماء امتِ محمدیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس بارے میں وہ بالکل محصور ہیں اور اسی لیے فروری ہے کہ جو کچھ ان کے ذریعے پہنچا ہے اسے تسلیم کرنے اور ماننے میں کوتاہی نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا مِن دُونِهِ أَلَّا نُبَدِّلَ أَلْفًا بِآخَرَةٍ وَرَأَيْنَا الْعَرْشَ الْمُبِينُ	(اے نبی) کہ دو ایمان لائے ہم اللہ پر اور اس چیز پر جو ہماری طرف نازل ہوئی اور جو حضرت ابراہیم، اسماعیل
وَأَسْمَاءُ بَنَاتٍ لَّذِي لَا نَحْمِلُ الْوِثْرَةَ عَلَيْهِمْ وَإِلَىٰ ذَٰلِكَ عَدَدٌ	اسحاق یعقوب اور ان کی اولاد علیہم السلام پر نازل ہوئی اور جو موسیٰ اور
وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ وَآلِ مَرْيَمَ وَآلِ عِمْرَانَ إِذْ قَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رِزْقًا حَسَنًا فَآتَيْنَاهُم خَيْرًا مِّنْ ذَٰلِكَ فَتَنًا وَتَمَرًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ	عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم کسی

نَفَرْتُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْكُمْ
وَ نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ○
فَإِنْ أَمِنُوا بِمِثْلِ مَا أَمِنْتُمْ
بِهِ فَقَدْ أَعْتَدْنَا وَإِنْ
تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فَجْرٌ
سِقَايَ نَسِيكَفِيكُمْ
اللَّهُ وَ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
(البقرہ: ۱۳۶، ۱۳۷)

نبی میں فرق نہیں جانتے، بلکہ سب
کو تسلیم کرتے ہیں پس (اے نبی) اگر
وہ لوگ تمہاری طرح ایمان لے آئیں
تو بے شک ہدایت یاب ہو گئے اور
اگر اعراض کریں تو سمجھ لو کہ وہ شقی ہیں
پس تمہارے لیے اللہ کافی کارساز
ہے اور وہ سننے والا جاننے والا
ہے۔

www

www

اور فرمایا:

وَ لَكِنَّ الْآيَةَ مَنْ آمَنَ
بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ وَ
الْمَلَائِكَةِ وَ الْكِتَابِ وَ
الرَّسُولِينَ (البقرہ: ۱۷۷)

اور لیکن نجات اس کے لیے ہے
جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا اور آخرت
پر اور اس کی کتابوں پر اور نبیوں کو
تسلیم کر لیا۔

اور فرمایا:

أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ
إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَ الْمُؤْمِنُونَ
كُلُّ أَمِنَ بِاللَّهِ وَ مَلَائِكَتِهِ
وَ كُتُبِهِ وَ مِنْ سُلْبِهِ لَا تَفْرِقُوا
بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ مَّسَلِبِهِ وَ
قَالُوا سَمِعْنَا وَ أَطَعْنَا
عُضْرًا إِنَّكَ رَبَّنَا وَ إِلَيْنَا

رسول تو اس پر ایمان لے آیا جو اس
کے رب کی طرف سے اس پر نازل
ہوا اور مومن بھی ایمان لے آئے۔
سب نے اللہ اور اس کے فرشتوں
اس کی کتابوں اور اس کے نبیوں
کو مان لیا، ہم نے تو کسی نبی میں
فرق نہیں ڈالا اور وہ یہ کہتے ہیں

المَصْرِ (البقرہ: ۲۸۵) کہ ہم نے سن لیا اور قبول کر لیا ہے
پروردگار تیری طرف ہی ہم نے
لوٹنا ہے۔

برخلاف اس کے نبیوں کے بغیر کوئی شخص معصوم نہیں، اگرچہ وہ اولیاء اللہ
ہی میں سے کیوں نہ ہو۔ اسی بنا پر جملہ فقہاء کے نزدیک نبی کو گالی دینے والے
کا قتل کر دینا واجب ہے اور غیر نبی کو گالی دینے والا ہرگز قتل نہ کیا جائے۔ جیسا
کہ ارشاد ہے:

مَنْ سَبَّ نَبِيًّا مِنْ الْأَنْبِيَاءِ
قُتِلَ وَ مَنْ سَبَّ غَيْرَهُمْ
لَمْ يُقْتَلْ
جس نے نبیوں میں سے کسی نبی کو
گالی دی وہ قتل کیا جائے گا اور جس
نے نبیوں کے سوا کسی کو گالی دی
وہ قتل نہ کیا جائے گا۔

انبیاء علیہم السلام اور حفاظت الہی اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو معصوم اور محفوظ رکھنے
کا خود ذمہ اٹھایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ
عَلَيْهِ غَيْبَهُ أَحَدًا إِلَّا مَنْ
أَرَادَ تَضَلُّي مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ
يَسْلُكُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ
مِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا لِيُعَلِّمَ
أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا مَا سَلَّتِ
مَاءَ تَبِهِمْ

مہرِ غیب کی باتیں جانتا ہے اور
اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا
البتہ (لوگوں کو ایسی باتوں سے مطلع
کرنے کے لیے) وہ کسی کو اپنا
رسول چن لیتا ہے اور پھر اس کے
آگے پیچھے (فرشتوں کا پہرہ لگا
دیتا ہے) جب تک کہ وہ جان

غیب کا لفظ اپنے وسیع تر معنوں میں استعمال ہوا ہے جنت اور دوزخ (بقیہ برصغیر)

لے کہ رسولوں نے خدائے تعالیٰ کے پیغام (محفوظ طور پر بلا کم و کاست) پہنچا دیے۔

(البجن: ۲۸)

اس قسم کی عصمت انبیاء علیہم السلام کے لیے ضروری ہے اور اسی کی بدولت نبوت اور رسالت کا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ نبی کا لفظ نبأ سے مشتق ہے اور اس کا مطلب ہے "اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دینے والا"۔ اسی طرح رسالت کے معنی "پیغام" کے ہیں اور رسول بمعنی اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچانے والا۔ اس لیے یہ لازم ہے کہ ہر ایک نبی اور ہر ایک رسول تبلیغ و تزیل احکام الہی میں مصوم ہو۔ بصورت دیگر اللہ تعالیٰ کا پیغام ناقص ہو گا جو ناممکن ہے تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے۔

اختلاف علماء اور القار شیطان | البتہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا نبی اور

رسول کی زبان پر تلاوت کی آثاریں کوئی ایسا کلمہ جاری ہو سکتا ہے جو شیطان کا القار ہو اور جس کو بعد میں بذریعہ وحی باطل مٹھرایا جائے، اس کے متعلق دو قول ہیں۔ ایک تو اس کا جواب اثبات میں دیتے ہیں اور سلف کا بھی یہی مذہب ہے۔ قرآن و حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کلام مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
رَسُولًا سَأَلَهُ عَنْ نَبِيِّ الْأَيُّهَا
إِذَا تَمَسَّحَ الشَّيْطَانُ فِي
أُمَّنِيَّتِهِ فَيَنْسُخِ اللَّهُ مَا يُلْقِي

(بقیہ صحیفہ ۱۲۹) کا حال بتانا اور اعمال میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی یا عدم خوشنودی کا پتا دینا سب

اس کے مفہوم میں داخل ہے۔

لے تاکہ اس کی تبلیغ شیطان اور قوت داہمہ وغیرہ کے تصرف سے بالکل محفوظ رہے۔

الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحَكِّمُ اللَّهُ
 آيَتَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ
 لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ
 فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ
 مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ
 وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي
 شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝ وَلِيَعْلَمَ
 الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ
 الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا
 بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ
 وَإِنَّ اللَّهَ لَكَاهِدٌ لِّذِينَ
 أُوتُوا ۝ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

کی آرزو میں کوئی نہ کوئی فتنہ ڈال دیا
 جس کے بعد اللہ نے شیطان کے
 دوسرے انداز کی کوشا دیا اور اپنی نشانیوں
 کو مضبوط کر دیا اور اللہ تعالیٰ جانتے والا
 اور حکمت والا ہے۔ اس میں یہ مصیحت
 رہی ہے کہ شیطان کی دوسرے انداز کی
 ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ہو جائے
 جن کے دل ردگی اور سخت ہو گئے ہیں
 بلاشبہ یہ ظالم بڑی ہی گہری مخالفت میں
 پٹھے ہیں۔ نیز یہ مصیحت بھی تھی کہ علم
 والے اس بات کو جان لیں کہ یہ سب
 پروردگار کی طرف سے ہے، اس طرح
 یہ ایمان لے آئیں اور ان کے دل
 میں عجز و نیاز پیدا ہو جائے یقیناً
 اللہ ایمان والوں کو کامرانی کی سیدھی
 راہ چلائے والا ہے۔

(الحج: ۵۲، ۵۳)

اہل حدیث کا عقیدہ | ان آیات کے شان نزول میں یہاں جو قصہ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کے سورہ بقرہ کو تلاوت کرنے اور اٹھائے تلاوت میں شیطان کے
 بعض الفاظ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری کر دینے کا منقول ہے
 وہ ایک معروف روایت ہے اور کتب تفسیر و حدیث میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ
 آیت میں بھی اس بات کا اندازہ موجود ہے کیونکہ شیطانی القاد کو مٹانا اور آیتوں کو قائم

رکھنا بھی یہ ظاہر کر رہا ہے کہ آیاتِ الہیہ کے نزول کے دوران فی الواقع کوئی ایسا اختلاط پیش آیا ہے اور آنا ممکن ہے جس کے رفع کرنے اور حق و باطل میں تمیز کر دینے کو نسخ اور احکام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اہل حدیث علماء کا یہی قول ہے۔

لیکن جو لوگ متاخرین میں سے اس کے خلاف ہیں۔ وہ پہلے گروہ پر بر طعن کرتے ہیں اور انکار کرتے ہیں کہ سورہٴ نجم میں یہ الفاظ داخل کیے جائیں :

تلك الغنائق العلی و	یہ بزرگ ہستیاں بلند مرتبہ ہیں اللہ
ان شفاعتها لقی تجی	اور عزائے دیگرہ بت امدان کی
	شفاعت کی بھی امید کی جاتی ہے۔

کیونکہ یہ الفاظ ہرگز ثابت نہیں ہیں اور جس نے ثابت جانا اس نے تسلیم کیا کہ الفاظِ شیطانی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر ایسے الفاظ ہرگز جاری نہیں ہو سکتے اور اپنی تائید میں یہ آیت قرآنی پیش کی :

إِلَّا إِذَا تَسَخَّرَ الْقَوْلَ لَشَيْطَانٍ مُّبِينٍ	تمام رسولوں کو یہ مرحلہ پیش آیا کہ ان
فَإِنْ أُمْنِيَّتِهِ	کی آرزوؤں میں شیطان نے فتنہ
(الحج : ۵۲)	ڈال دیا۔

صداقتِ نبوت کی مستحکم دلیل | فریقِ مخالف نے جو اعتراض اس القاب پر کیے ہیں، وہ بعینہٴ مسئلہ نسخ پر وارد ہوتے ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ اس قسم کا نسخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صادق فی الرسالة ہونے کی ایک زبردست دلیل ہے اور یہ کہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے، کیونکہ کسی ایک بات کا حکم دے کر جب وہ بعد میں اس کو نسخ بتاتے ہیں تو اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ وہ ماسور بندے ہیں اور جو کچھ حکم ملتا ہوا کسی کی تبلیغ فرماتے ہیں۔

حضرت عائشہ کا قول | صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے

کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا ایک حرف بھی چھپانا چاہتے تو سب سے پہلے اس آیت کی تبلیغ میں کوتاہی فرماتے:

وَ تَخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ وَ اللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ

اور تم اپنے دل میں ایک ایسی بات چھپانا چاہتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ طشت از باہم کرنے والا تھا اور اس کے اظہار میں تم لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ خدا سے ڈرنا زیادہ

مزدوری ہے۔

(الاعزاب: ۳۷)

سچے اور چھوٹے کی پہچان یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص جھوٹا ہو اور اپنی نود کا خواہاں ہو وہ ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ آج ایک بات کہہ کر کل اس کی تردید کرے بلکہ جو کچھ اس کے منہ سے نکل جائے وہ اس کی تائید اور اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے میں اپنی پوری کوشش صرف کرتا ہے۔ برخلاف اس کے جو سچا نبی اور سچا رسول ہے وہ اپنی خواہش نفس کا تابع نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا تابع فرمان ہوتا ہے اور جو کچھ اس کو حکم ملتا ہے وہی لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ قطع نظر اس سے لوگوں کو اس پر اعتراض کرنے کا موقع ملے یا لوگ اس نسخ کو اس کے تناقص پر محمول کریں جس میں اس کی صفت متصور ہو۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ایک بات کو بغیر خفت و سوس کے صاف صاف بیان کر دینا اس بات کی محکم دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکموں کو ثابت کر دیا اور جو القاب شیطانی تھا اسے باطل قرار دیا ہے اور یہ آپ کی صداقت کی بین دلیل ہے اور جھوٹا نبی ہونے سے بریت ہے اور یہی رسالت کی عرض و غایت ہے۔ آپ صادق الصدوق ہیں اور آپ کی رسالت کو جھٹلانا اسی لیے مرتجح کفر ہے۔

انبیاء اور تبلیغ رسالت کے علاوہ کام

جمہور علماء کا قول | لیکن جن باتوں کا تعلق تبلیغ رسالت سے نہیں ہے۔ ان میں انبیاء علیہم السلام کی عصمت از روئے عقل ثابت ہے یا خلافت قیاس و پھر یہ جھگڑا ہو کہ کبار سے معصوم نہیں یا صغار سے؟ کفر سے پاک ہیں یا قبل از بعثت سے؟ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جمہور علماء کا صحیح تر قول وہ ہے جس کی بنا پر سلف کے اقوال منقولہ پر یہ بات صادق آتی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے (ان کے رتبہ کے موافق) گناہ صادر ہو جاتے ہیں لیکن وہ ان پر ٹھہر نہیں رہتے۔

استدلال معصومیت مطلقہ | بعض علماء جو ان کو معصوم مطلق سمجھتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اقتدار یعنی ان کے افعال کی پیروی کرنا امت پر لازم ہے اس لیے اگر ان سے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہو تو اقتدار میں خلل آتا ہے۔ پس نبی معصوم ہوتا ہے اس سے کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوتا۔

لیکن یہ بھی ایک مسئلہ امر ہے کہ ان کا اقتدار ان افعال میں کیا جاتا ہے جن پر وہ قائم رہے اور جن سے انہوں نے رجوع نہیں کیا، چنانچہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے امر اور نہی کا اتباع کرنا بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ امر اور نہی بعد میں منسوخ نہ ہو گئی ہو۔

منافی کمال اور فضیلت تو ہے | مطلق عصمت کے قائلین کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ گناہ کا صادر ہونا کمال کے منافی ہے اور ان کا یہ ارتکاب ذنوب لوگوں کے لیے نفرت لہ اور یہ مانا گیا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نبی فوج انسان کے کامل ترین افراد ہیں۔

کا موجب ہوگا۔ اور اس لیے رسالت کا مقصود کما حقہ پورا نہیں ہوگا لیکن یہ دلائل بھی اس حالت میں مؤثر ہو سکتے ہیں جب کہ یہ کہا جائے کہ وہ گناہ پر مقرر تہمتے ہیں لیکن اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اب جیسا کہ ہم نے ابھی جمہور علماء کا قول نقل کیا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ گناہ ان سے صادر ہوتے ہیں لیکن وہ ان پر مقرر نہیں ہوتے۔ "فردا تا نب ہو کر خدا کے حضور طالبِ معافی ہوتے ہیں۔"

اور تم جانتے ہو کہ وہ سچی توبہ جس کو بارگاہِ کبریاہ میں شرفِ قبولیت حاصل ہو جائے اس کے بعد انسان اپنی قبل از توبہ حالت کے مقابلے میں بلند تر درجہ پر فائز ہوتا ہے چنانچہ بعض سلف سے منقول ہے کہ توبہ کے بعد داؤد علیہ السلام قبل از توبہ واسلے داؤد سے افضل تھے۔ کلامِ مجید میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ | بيشك الله تعالى توبہ کرنے والوں اور
وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ○ | پاکیزہ رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔
دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ | لیکن جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لاکر
عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ | ایک اعمال کیے، ان لوگوں کی برائیوں
يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ | کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں تبدیل کر دے
حَسَنَاتٍ الْفِرْقَانِ: ۴۰ | گا۔

صحیح حدیث میں بیان ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی کے صفاتِ خدا کے سننے پیش کیے جائیں گے اور اس کے کبائر چھپا دیے جائیں گے کیونکہ وہ کبائر کو ظاہر کرنے سے بچتا تھا، پس اللہ سبباً فرمائیں گے، میں نے تیرے گناہ معاف کر دیے اور تیرے ہر ایک گناہ کو نیکی میں بدل ڈالا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس کی معافی کی حالت پہلی حالت سے یقیناً بہتر ہوگی۔

مرض خود بینی کی سزا | سید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے سلف صالحین

کا قول ہے کہ،

<p>بعض اوقات انسان نیکی کرتا ہے اور دوزخ میں جاتا ہے اور کبھی برائی کرتا ہے تو جنت میں داخل ہوتا ہے۔</p>	<p>إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ الْحَسَنَةَ فَيَدْخُلُ بِهَا النَّارَ وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ السَّيِّئَةَ فَيَدْخُلُ بِهَا الْجَنَّةَ</p>
--	---

پھر انہوں نے اپنے اس قول کی تشریح اس طرح پر کی کہ آدمی نیکی کر کے اس پر نازاں ہوتا ہے اور خود بین بن جاتا ہے۔ اس کا انجام دوزخ ہے، برخلات اس کے برائی کر کے آدمی کے دل میں خدائے تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے، وہ اس کی طرف رجوع کرتا اور تائب ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرماتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

<p>اور منظور کر لیا انسان نے اس (بارائت) کو، بیشک وہ ظالم اور جاہل ہے۔ عذاب</p>	<p>وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانَ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَبِينًا لَّيَعَذِّبُ</p>
---	--

لے صحیح حدیثوں سے حرف بحرف اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ بخدا ان کے نبی اسرائیل کے ایک بڑے ماہر نے ایک خدا کار کے متعلق یہ کہا کہ خدا کی قسم! یہ نہیں بخشا جائے گا تو اس خود بینی سے اس کی تمام نیکیاں برباد ہو گئیں اور وہ دوزخ میں ٹھونس دیا گیا۔ اسی طرح نبی اسرائیل کے ایک دوسرے شخص کا قصہ ہے کہ اس نے اپنی تمام عمر میں ایک بھی نیکی نہیں کی تھی لیکن مرتے وقت اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا اور اس نے اپنی تعیش کو جلا دینے اور اس کے بعد اس کی خاک کو ہوا میں اڑانے کی وصیت کی جس پر خدائے تعالیٰ نے اس کو بخش کر جنت میں داخل کر دیا۔ یہ دونوں قصے صحیحین میں مذکور ہیں اور سید بن جبیر کے قول میں جس اصول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے لیے بمنزلہ شاہد عدل کے ہیں۔

(مترجم)

اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ | میں مبتلا کرے گا اللہ منافق مردوں اور
 وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ | منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور
 وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ | مشرک عورتوں کو اور پھر آئے گا اللہ تعالیٰ
 وَالْمُؤْمِنَاتِ يَا كَافِرَةٌ | مومن مردوں اور مومن عورتوں کی طرف
 غَفُورًا رَحِيمًا ○ | اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا
 (الاحزاب: ۷۳)

الغرض قرآن، حدیث اور دیگر کتب سماویہ تمام اس قول کی تائید ہیں اور کسی تاویل
 کی گنجائش نہیں۔

اخلاف مسلمہ اصول اوفت ان ایمان

انبیاء کا تصور اور دوران کار تاویل میں | پھر اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں متعدد آیتوں میں
 حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو **لَا اسْتَعْظِفُ لَذَنبِكَ** کہہ کر مخاطب فرمایا ہے اور
 قرآن اور حدیث میں اس بات کی تصریحات موجود ہیں کہ پیغمبروں سے گناہ اور تصور
 سرزد ہوا۔ جس پر وہ نامدم ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے مغفرت طلب کی،
 یہ ایک مسلمہ اصول ہے لیکن ایک دوسرا فریق ان نصوص کی ایسی ہی دوران کار تاویل میں
 کرتا ہے جو ان قواعد اور جمہیہ اور باطنیہ کی تاویلات کے مشابہ جوتی ہیں، جنہوں نے
 اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنہ اور صفات علیا کے حقائق کی ایسی ہی تاویل میں کر کے انکار کیا ہے

نہ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے علوم تربیت کے لحاظ سے یہ گناہ اور تصور تھا مگر حسنات الابرار اور
 "سیمات المقربین" کے زریں اصول کو مرکز نہ بھولنا چاہیے۔

یہ لوگ بزعم خود انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کرنا چاہتے ہیں، جس میں اپنی رائے کو استعمال کر کے دانستہ یا نادانستہ ان کی تکذیب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

حصولِ سعادت کا حکمی نسخہ | علاوہ ازیں وہ لوگ جس قسم کی عصمت کا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے دعویٰ کرتے ہیں، اگر وہ ثابت بھی ہو تو اس سے ان کی اپنی ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اور نہ ہی ان کو اس عصمت کے ثبوت کرنے کی کچھ زیادہ ضرورت ہے کیونکہ ان کا تعلق خود ان کی ذات سے نہیں اور نہ ہی اس کی بابت کوئی خاص حکم موجود ہے۔ قیامت کے دن انسان سے اس کے اپنے اعمال کے متعلق پوچھا جائے گا۔ جیسا کہ فرمایا:

وَلْتَسْأَلَنَّ عَمَّا كُنتُمْ
تَعْمَلُونَ ○
(اعمل: ۹۳)

یہ لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات کے متعلق اکثر بغیر کسی دلیل شرعی کے سخنیں کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جو ان کا اصلی فرض ہے یعنی انبیاء علیہم السلام پر سچے دل سے ایمان لانا اور ان کی تعلیم پر عمل پیرا ہونا جو حصولِ سعادت کا حکمی اور تیرہ ہدف نسخہ ہے، اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ کلامِ مجید میں ہے:

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا
الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَمَا
عَلَيْهِ مَا حِمْلٌ وَ عَلَىٰ كُم مَّا
حُمِلْتُمْ وَإِن تُطِيعُوهُ
تَهْتَدُوا وَإِن مَّا عَلَى الرَّسُولِ
إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ○

کہہ دو اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ لیکن اگر تم نے دیکھ لیا کہ تم نے اپنے ذمہ داری کی تو سمجھ لو کہ بیشک پیغمبر پر اپنی ذمہ داری ہے اور تم پر تمہاری ذمہ داری ہے۔ ہاں اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو سیدھا راستہ پاؤ گے، رسول پر تو یہی ذمہ داری

ہے کہ وہ کھلے طور پر اللہ تعالیٰ کا پیغام
ان کو پہنچا دے۔

النور: ۵۴

قصور انبیاء اور توبہ | الغرض قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر کے
گناہ اور قصور کا ذکر فرمایا ہے، ساتھ ہی اس کی توبہ و استغفار کا بھی ذکر ہے۔ حضرت
آدم علیہ السلام کی توبہ دعا مشہور ہی ہے کہ:

مَا بَنَّا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا إِنَّ
لَكُمْ تَعْفُوسَ لَنَا وَتَرْحَمَنَا
لَسْكَوْتٌ مِّنَ الْخُسِيِّينَ
(الاعراف: ۲۳)

حضرت نوح علیہ السلام کا یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد کہ انہوں نے اپنے کافر بیٹے
کی نجات کے لیے سوال کیا، جو ایک غلطی تھی، ان کی یہ دعا نقل کی گئی ہے:

مَا بَاتِ إِفِي أَعْوَدِيكَ أَنْ
أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ
وَإِن لَّا تَعْفُوسَ لِي وَتَرْحَمْنِي
أَكُنُّ مِّنَ الْخُسِيِّينَ
(ہود: ۴۷)

ایسی بات کا سوال کیا جس کا مجھے کچھ
بھی علم نہیں اور اب اگر توجھے بخشے
گا اور مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں نیل
کاروں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی یہ دعا ملاحظہ ہو:

مَا بَنَّا أَغْفِصَ لِي وَ لِقَوِّ الدَّعْوَى
وَ يَلْمُؤُ مِّنِينِ يَنْ مَّ يَقُومُ
الْحِسَابُ
(ابراہیم: ۴۱)

پروردگار! جس دن حساب کتاب
ہو، مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش
دے اور مومنین کی بھی مغفرت فرما

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے:

اَنْتَ وَ لِيسْنَا فَاعْفُ لَنَا وَ
 اَمْ حَمْنَا وَ اَنْتَ حَيْثُ الْعَاذِرِينَ
 وَ اَلْكُتُبُ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا
 حَسَنَةً وَ فِي الْاٰخِرَةِ اِيَّا
 هُدُنَا اِلَيْكَ
 الاعراف: ۱۵۶، ۱۵۵

خدا یا! تو ہمارا کار ساز ہے، تو ہمیں بخش
 دے اور ہم پر رحم فرما اور تو ہی سب
 بخشنے والوں سے افضل ہے۔ اور
 اس دنیا میں ہمارے لیے نیکی مقرر
 کر دے اور آخرت میں ہمیں اپنی
 طرف ہدایت یاب فرما۔

پھر فرمایا:

مَا بِ اِيِّ ظَلَمْتُمْ نَفْسِي
 فَاعْفُ لِي (القصص: ۱۶)
 کیا تو مجھے بخش دے۔
 پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم
 کوہ طور پر تجلی الہی کی تاب نہ لاسکے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ہوش
 میں آئے تو عرض کی:

سُبْحٰنَكَ تَبَّتْ اِلْيٰكَ وَ
 اَنَا اَنَا الْمَوْمِنِيْنَ
 (الاعراف: ۱۴۳)

خدا یا! تیرے ہی لیے ہر طرح کی
 تقدیس ہے۔ میں تیرے حضور توبہ
 کرتا ہوں اور میں یقین رکھنے والوں
 میں سے پہلا شخص ہوں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں ہے:

فَاَسْتَخَفَّصَ مَا بِيَّ وَ خَسَّ
 نَا كِعَا قَا اَنَا بَا
 لَهْ ذٰلِكَ وَ اِنَّ لَهْ عِنْدَنَا
 لَوْلٰئِي وَ حَسَنَ مَا بِيْ

اس نے اپنے پروردگار سے مغفرت
 طلب کی اور جھک کر رکوع کیا۔ اس
 کے بعد خدا نے تعالیٰ کی طرف رجوع
 کیا، پس ہم نے اسے بخش دیا اور ہمارے
 نزدیک اس کے تقرب کی جگہ ہے

(ص: ۲۴) | اور بہتر جلتے پناہ۔
 حضرت سلیمان علیہ السلام کی خطا کا ذکر کرنے کے بعد آپ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:

سَابَّ اَغْفِضْ لِي فَهَبْ لِي	اسے میرے پروردگار مجھے بخش دے
مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِاَحَدٍ مِّنْ	اور مجھ کو ایک ایسی سلطنت عطا
بَعْدِي اِنَّكَ اَنْتَ الْوَكَّابُ	فرما جو میرے بعد کسی دوسرے کے
	لیے سزا دار نہ ہو۔ بے شک تو ہی
	بڑا عطا کرنے والا ہے۔

(ص: ۲۵)

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا تمہارے سامنے ہے کہ:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ	تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری
رَبِّ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ	ذات پاک ہے، مقدر میں ہے اور
	بے شک میں ظالموں میں سے ہوں

(الانبیاء: ۸۷)



حضرت یوسف علیہ السلام

لَهَمَّتْ بِهَا وَهَمَّ بِهَا | البتہ حضرت یوسف علیہ السلام سے کسی قسم کی برائی اور بے حیائی صادر نہیں ہوئی۔ رہا یہ کہ اس سے پہلے آیا ہے۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهَا وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ نَأْتَىٰ بِنَهَا
بَشِيكَ اس عورت نے یوسفؑ کو تا بویں لانے کا قصد کیا اور اس نے بھی قصد کیا ہی تو تمنا اگر وہ رب کی طرف سے ایک روشن دلیل نہ دیکھ لیتا۔

(تو کام خراب تھا)

(یوسف : ۲۴)

حضرت امام احمد بن حنبل کا قول | امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”الْهَمُّ هَمٌّ فَهَمَّ خَطَرَاتٌ وَهَمَّ إِصْرَاتٌ

یعنی قصد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی بات خطرہ کے طور پر دل میں گزر جائے۔ دوسرے یہ کہ کسی فعل کے کرنے کا ارادہ کرے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے کہ:

ان العبد اذا هم بسيئة | جب آدمی کسی برائی کا عرصہ قصد لعلی کتب علیہ واذ اتى كها | کرتا ہے تو وہ کبھی نہیں جاتی (جب اللہ کتبت له حسنة وان | تک اس کا ارتکاب نہ کرے) اور اگر عملها کتبت له سيئة وان | اس کا عمل میں لانا خالص اللہ کے

ان تر کہا من غیر ان
 تر کہا لله لم تکتب له
 حسنة و لا تکتب علیه
 سیئة

یہ ترک کر دے تو اس کے لیے
 نیکی لکھی جاتی ہے، اگر برائی کا ارتکاب
 ہو جائے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی
 ہے (نیکی کی طرح دس گنا نہیں لکھی
 جاتی) اور اگر اس قصد کو عمل میں نہ لائے
 اور برائی کا ارتکاب نہ کرے لیکن اس
 کا یہ ترک کرنا اللہ کی خوشنودی حاصل
 کرنے کے لیے نہ ہو تو نیکی یا برائی کچھ
 بھی نہیں لکھی جاتی۔

قصدا ورتکب یوسف | حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک قصد کیا لیکن اس
 کا عمل میں لانا خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ترک کر دیا۔ اس مخلص
 کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو برائی اور بے حیائی سے محفوظ رکھا۔ جیسا کہ آیت مذکورہ
 بالا میں اس کی تشریح ہے۔ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کے دل میں بمقتضائے
 بشریت گناہ کرنے کا خیال سا پیدا ہوا، اس نے اس خیال کو رد کیا اور خالص اللہ تعالیٰ
 کے لیے اپنے آپ کو برائی کے ارتکاب سے روکا۔ اس لیے ان کا یہ رک جانا ایک
 نیکی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا صحیح حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

ایک غلط روایت | لیکن بعض روایات میں جو یہ منقول ہے کہ:

انه حل سلا و یله مجلس
 مجلس الرجل من المرأة
 و انه راہی صورتہ یعقوب
 عاصاً علی یدیه و امثال

حضرت یوسف نے سراویل کا بند
 کھولا اور فعل بد کے ارتکاب کی نیت
 سے بیٹھ گئے۔ اس حالت میں آپ
 کو حضرت یعقوب کی صورت نظر آئی

ذالک

جو اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹ
رہے تھے یا ایسی اور روایتیں۔

اس قسم کی مخافات کا قرآن اور حدیث میں کچھ ذکر نہیں اور نہ ہی اللہ اور اس کے
رسولؐ نے ایسی باتوں کی خبر دی ہے۔ یہ سب روایتیں یہودیوں سے لی گئی ہیں جو انبیاء
علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حق میں سب سے زیادہ جھوٹ بولتے ہیں اور ایسی باتیں
لکھ جاتے ہیں جو سراسر ان کی شان اور علوم و تربیت کے منافی ہوتی ہیں۔

مفسرین کی غلطی | اس قسم کا یہ قول بھی ہے جو مسلمانوں نے اہل یہود سے نقل
کیا ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ایک حدیث بھی نہیں آیا کہ
مندرجہ ذیل یہ قول حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے،

مَا أَيْتِي نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا
رَحِمَ رَبِّي (یوسف: ۵۰)

یہ قول حضرت یوسف علیہ السلام کا مرکز نہیں، جیسے کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے۔ بلکہ یہ عزیز
کی بیوی کا مقولہ ہے۔ اور جس شخص نے اس آیت کے سیاق و سباق پر غور کیا، اس کو اس
میں ذرہ بھی شک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں وہاں حضرت یوسف
علیہ السلام موجود ہی نہ تھے بلکہ وہ تید خانے میں تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

قَالَ الْمَلِكُ ائْتِنِي بِهِ
فَلَمَّا جَاءَهُ السُّؤْلُ قَالَ
ارْجِعْ إِلَىٰ مَوْلَاكَ فَأَسْأَلْهُ
مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي
قَطَعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ
سَأَلِي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ

بادشاہ نے کہا، یوسف کو فوراً میرے
پاس لاؤ۔ لیکن جب (بادشاہ کا)
پیغامبر یوسف کے پاس پہنچا تو اس
نے کہا، تم اپنے آقا کے پاس جاؤ
اور دریافت کرو کہ ان عورتوں کا کیا
معاملہ تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ

قَالَ مَا خَطْبُكَ إِذْ قَامَ دُتَيْتَ لِي تَحْتِ، جیسی کچھ سکریاں انہوں نے
 يُوسُفَ عَنِ نَفْسِهِ قُلْنَا كَيْ تَقُولُ مِثْلَ مَا تَقُولُ اسے خوب جانتا
 حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ قَالَتِ امْرَأَةُ الْعَزِيزِ
 الْآنَ حَصْحَمَ نَسِيتُ كَيْفَ كُنْتُ بِكَ وَنَسِيتُ كَيْفَ كُنْتُ بِكَ
 أَنَا وَان دُتَيْتَ عَنِ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ
 ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي
 كَيْدَ الْخَائِبِينَ وَمَا أُبْرِيءُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّانَةٌ
 بِالسُّورِ إِلَّا مَا جَمَعْتُ بَيْنَ رِئَاسَتِهِ وَرِئَاسَتِهِ
 إِنَّ رِئَاسَتَهُ لَأَمَّانَةٌ بِالسُّورِ إِلَّا مَا جَمَعْتُ بَيْنَ رِئَاسَتِهِ
 وَرِئَاسَتِهِ

پوچھا۔ صاف صاف بتا دو اس وقت تمہیں کیا معاملہ پیش آیا تھا جب تم نے یوسف پر ڈور سے ڈالے تھے کہ اسے اپنی طرف مائل کر لو، وہ عورتیں بولیں۔ حاشا للہ! ہم نے یوسف میں کوئی برائی کی بات نہیں پائی۔ عزیز کی بیوی بھی یہ سن کر بے اختیار بول اٹھی جو حقیقت تھی وہ اب ظاہر ہو گئی کہ ہاں میں ہی تھی جس نے یوسف پر ڈور سے ڈالے تھے کہ اپنا دل ہار بیٹھے۔ بلاشبہ وہ بالکل سچا ہے یہ میں نے اس لیے کہا ہے کہ اسے (یوسف کو) معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کے معاملہ میں خیانت نہیں کی، نیز اس لیے کہ اللہ خیانت کرنے والوں کی تیریوں پر کبھی کامیابی کی راہ نہیں کھولتا۔ میں اپنے نفس کے تقدس کا دعوے نہیں کرتی۔ ہمارا

نفس تو برائی کے لیے بڑا ہی ابھارنے والا ہے۔ (اس کے غلبہ سے بچنا مشکل ہے) مگر ہاں اس حال میں کہ میرا پڑا دو گار رسم فرما دے بلاشبہ میرا پڑا دو گار بڑا ہی سچے والا مہربان ہے۔

(یوسف: ۵۰ تا ۵۲)

جب ان کی براءت عورتوں کی شہادت اور خود عزیز کی بیوی کے اعتراف سے ثابت ہوئی تب بادشاہ نے ان کو قید خانے سے نکلوایا اور آپ کی تعظیم و توقیر کی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

بادشاہ نے حکم دیا، یوسف کو میرے پاس لاؤ تاکہ اسے اپنے خاص کاموں کے لیے مقرر کروں (پھر جب وہ آئے) ان سے ملاقات کی تو کہا: آج کے دن سے تو ہماری نگاہوں میں بڑا صاحب اقتدار اور امانت دار انسان ہے۔

قَالَ الْمَلِكُ اسْتَوْفِي بِهِ
اسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا
كَلَّمَهُ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا
مَكِينٌ اَمِينٌ ○

(یوسف: ۵۴)

قرآن کریم کی آیات کا یہ مفہوم بالکل صاف اور واضح ہے، اکثر مفسرین کا اس کو یوسف صدیق علیہ السلام کا تولد قرار دینا محض بے دلیل اور ایک باطل تولد ہے جیسے کہ کسی دوسرے موقع پر اس کی مزید تشریح کی گئی ہے۔



بیانِ افضلیت و کمال

رجوع الی اللہ کا نتیجہ | یہاں پر یہ بتانا مقصود تھا کہ حضرت یونس علیہ السلام جو گناہ یا قصور سرزد ہوا، جب انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے طالب ہوئے تو ان کا سب گناہ بخشا گیا، قصور نیکیوں میں تبدیل ہو گیا اور نفع درجات کا موجب ہوا۔ پھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد کے یونسؑ رجوع الی اللہ کے باعث بہت عظیم المرتبت یونسؑ بن گئے۔ کلام پاک میں ہے:

نَاٰجِئْہٖ رَبُّہٗ وَجَعَلْہٗ
بِیْنِ الصّٰلِحِیْنَ
(ن: ۵۰)

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو چن لیا (برگزیدہ بنالیا) اور اپنے نیک بندوں میں داخل فرمایا۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَدِّ اِیْتِیْرِ | یہ ایک سطر اصول ہے کہ انما الاعمال بالخیاتیر (بے شک عملوں کا اعتبار بحفاظ ان کے خاند کے ہے) ہر ایک شخص کا درجہ کمال اس کی آخری حالت کے لحاظ سے تعین کیا جاتا ہے۔ ابتدائے حال کا کچھ لحاظ نہیں کیا جاتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ انسان کو ابتدائے آفرینش میں جب ماں کے پیٹ سے نکالتا ہے تو وہ علم اور دیگر کمالات سے بالکل بے بہرہ ہوتا ہے۔ پھر بتدریج اس کو درجہ کمال تک پہنچاتا ہے۔ اب کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ایک کامل مکمل شخص کو اس کی طفلی کا زمانہ یاد دلائے اور اس کو جاہل تصور کرے۔ قبل از توبہ اور بعد از توبہ کی بھی بعینہ یہی کیفیت ہے۔ اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی

بعد از تو بہ حالتِ اکمل احوال انسانی ہے اور از کتابِ خطارہ و تصور کی حالت کو ملحوظ رکھ کر ان کو ناقص یا قابلِ ملامت سمجھنا ایک نہایت ہی غلط خیال ہے۔

ملائکہ کو نبی پر فضیلت

غلط فہمی کی وجہ | جو لوگ ملائکہ کو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل سمجھتے ہیں ان کو بھی یہی غلط فہمی ہوئی ہے کہ انہوں نے ان کی موجودہ حالت کا ملائکہ کے ساتھ موازنہ کیا۔ اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ان درجاتِ عالیہ اور اس مقامِ ارجمند کو مد نظر رکھتے، جو جنت الفردوس میں داخل ہو کر ان کو حاصل ہو گا جب کہ وہ ان سے تمام نقائص اور عیوب سے مبرا ہوں گے جو موجودہ حالتِ بشریہ کا مقتضا ہے اور جب ملائکہ علیہم السلام ہر ایک طرف سے سلام کئے ہوئے ان کے محلات کے دروازوں سے داخل ہوں گے۔ فرمایا:

لَا الْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ
عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ
سَلَامًا وَعَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ
(ابراہیم، ۲۳، ۲۴)

فضیلتِ کمال باعتبارِ ناکل | جب ان حالات کا لحاظ رکھا جائے تو انہیں معلوم ہو گا کہ کون افضل ہے اور مفضول بہ کون؟ مخلوقات میں سے کمال کسے حاصل ہے؟ کیا کسی غفل مند نے اس بات کو بھی سوچا ہے کہ کمال حاصل کرنے سے قبل ان کی اپنی

کیا حالت تھی؟ کیا وہ تمام عیوب و نقائص سے پاک تھے۔ کمالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیشہ آخری حالت کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ ابتدائے خلقت میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بھی عام انسانوں کی طرح لفظ اور مضامین سے آفرینش ہوئی ہے اور انہوں نے بھی بچپن کے مراحل طے کیے ہیں، اس لیے کمال کے لیے مال کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور اسی بنا پر یہ خیال بھی غلط ہے کہ جو شخص مسلمان پیدا ہوا اور عمر بھر میں اس نے کفر نہیں کیا، وہ مطلقاً اس شخص سے افضل ہے جو کافر رہ کر مسلمان ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس کی عاقبت اعلیٰ اور افضل ہے، اسی کو اعلیٰ و افضل سمجھا جائے گا، خلفائے راشدین اور اکثر مہاجرین اور انصار کے سابقین اولین جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، ابتدائے عمر میں کافر تھے اور بعض ان میں سے (مثلاً حضرت عمرؓ) شدید ترین کفار میں سے تھے لیکن آخر عمر میں ان کو وہ مراتب عالیہ نصیب ہوئے کہ ان کی اولاد، جن کی پیدائش اسلام پر ہوئی، ان کے گرد کو بھی نہیں پہنچ سکے۔

ابن تیمیہ کا قول | بلکہ میں کہتا ہوں، جس شخص نے ذوق اور وجدان سے شرار و معصیت کو چھوڑا، اس کی معرفت اکل ہے، بمقابلہ اس شخص کے جس نے شرار و معصیت کو صرف نام سے جانتا ہے۔ یہاں تک کہ جو شخص صرف خیر و طاعت کو چھوڑتا ہے۔ بعض اوقات اس کو ایک ایسا شریک آجاتا ہے جس کو وہ نہیں جانتا۔ اس لیے یا تو وہ اس میں گر جاتا ہے یا کم از کم وہ اس کی نظروں میں اتنا مبغوض نہیں ہوتا جتنا کہ اس کو مبغوض ہونا چاہیے۔

خیلفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،

انما تنقض عری الاسلام | جب ایک شخص کی اسلام میں

لہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا قول ہے۔

<p>تربیت ہوتی ہے اور وہ جاہلیت کو ذوق و وجدان کے ساتھ نہیں سے پہچانتا تو بے شک اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی مضبوط کڑیوں کو یکے بعد دیگرے کھول دیتا ہے۔</p>	<p>عدو اذا نشافى الاسلام من لعينون الجاهلية</p>
---	---

یہ نہایت سچا قول ہے کیونکہ اسلام کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ ہی سے کمال حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جس شخص نے نیکیوں کے ماحول میں تربیت پائی ہے۔ اور منکرات سے اس کو واسطہ نہیں پڑا، اس کو منکرات کی کیفیت اور حقیقت کا مکملہ سنبھلی علم بھی نہیں ہوتا اور نہ اس کو ان سے احتراز کرنے اور ان کے ترکیب کو منع کرنے اور ان کے ساتھ جہاد کرنے کے وسائل کا علم ہوتا ہے۔

صحابہ کرام کے ایمان اور جہاد کو کیوں تمام دنیا جہان کے ایمان اور جہاد پر فضیلت حاصل ہے؟ اگر کوئی پہاڑ کے برابر بھی نیچی کرے تو وہ نیچی صحابہ کی ایک سیر تھہر بلکہ پاؤں بھرنی کی برابر بھی نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خیر اور شر دونوں کے عالم تھے ان کی نظروں میں ایمان اور عمل صالح کی قدر تھی اور کفر و معصیت ان کے نزدیک مسخوض ترین چیز تھی۔

یہی وجہ ہے کہ جس شخص نے مرض اور تنگ دستی کا مزہ چکھ لیا ہے وہ دولت اور صحت کی قدر خوب جانتا ہے اور اس کی لذت کا بھی وہ ٹھیک احساس کر سکتا ہے شہور ضرب المثل ہے:

الاشیاء تعرف باضدادها

والضد یظہر حسنة الضد

حضرت عمر فرمایا کرتے تھے:

سنت بنجب ولا یخد عنی	مجھے کوئی پوشیدہ بات دھوکے میں
الخب فالقلب السلم المحمود	نہیں رکھ سکتی۔ پس قابل تعریف
الذی ینبذ الخب لہما الشر	قلب سلیم وہ ہے جو نیکی کو پسند کرتا ہو
	برائی کو پسند نہ کرے۔

کمال انسانی یہ ہے کہ نیکی اور برائی کو پہچانے، پس جو شخص شر کو نہیں پہچانتا تو یہ کوئی قابل تعریف صفت نہیں، بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک گونہ نقص ہے۔

بنیاد فضل و کمال | ابیں ہمہ اس کو ایک قاعدہ کلیہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جن نے کفر اور

معصیت کا بطور ذوق اور وجدان کے احساس کیلئے وہ خواہ مخواہ کسی ایسے شخص سے افضل ہو گا جس کو کبھی کفر اور معصیت کے واسطہ میں پڑتا کیونکہ یہ بھی ایک حقیقت کا طبعی اثر ہے

کا عالم ہوتا ہے اور وہ ہر ایک مرض کی حالت اور کیفیت کو مریض سے بہتر جانتا ہے

حالات بہت کم امراض ایسے ہوتے ہیں جن کو ذوق اور وجدان اور ذاتی تجربہ کے طور پر جانتا ہو۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی دراصل روحانی اطباء ہیں اور ان کو تمام امور

کا بخوبی علم ہے جو قلوب کی اصلاح یا فساد کا موجب ہو سکتے ہیں، اگرچہ تجربہ اور وجدان کے طور پر ان کو شرور اور معاصی و ذنوب کا وہ علم نہیں ہوتا جو دوسرے لوگوں کی حالت ہے۔

مختص مضمون | ہماری پہلی تحریر کا مختص صرف اس قدر ہے کہ بعض اشخاص کو شر اور معصیت کا تجربہ اتنی اور وجدانی علم ہونے سے اس سے وہ نفرت پیدا ہو جاتی ہے

اور وہ اس کو ایسا مبغوض سمجھتے ہیں جو بصورت دیگر متصور نہیں، مثلاً ایک شخص مشرک یا یہودی یا عیسائی رہ چکا ہے اور اس کو شبہات اور اعتراضات کا علم ہے جو مخالفین

اسلام اس کی حقانیت اور خوبیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے وارد کیا کرتے ہیں اس کے بعد اس کو اللہ تعالیٰ حق پہچاننے کی توفیق عنایت فرماتا ہے اور اس کو اسلام کے حاسن اور خوبیاں سمجھا دیتا ہے تو ایسا شخص اکثر اوقات اسلام میں زیادہ راسخ اور

ثابت قدم ہوتا ہے۔ بمقابلہ اس شخص کے جس نے کفر اور اسلام دونوں کی حقیقت کا علم حاصل نہیں کیا، اس لیے کبھی تو اس کے دل میں اسلام اور کفر کے متعلق محبت اور بغض کا جذبہ بہت کمزور ہوتا ہے اور کبھی وہ اول الذکر کی مدح اور سؤ خرائذ کی مذمت کرنے میں نقطہ دوسروں کی تقلید کرتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ جس نے بھوک کا مزہ چکھا ہو پھر اس کے بعد سیر ہو کر کھانا کھایا ہو، یا جو بیمار ہوا، پھر اس کے بعد صحت یاب ہوا، یا جس نے خوف کے بعد امن کی حالتوں کو دیکھا ہو۔ پس ان اس و راحت، فقر و فاقہ اور بیخ و غم کی سب حالتوں کا اندازہ شناس اس سے بدرجہا بہتر و افضل ہے جو ان کلفتوں اور راحتوں میں مبتلا نہ ہو۔

اہل بدعت کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنے فسق و فجور کی حالت میں داخل اسلام ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر حق و صداقت کا دروازہ کھول دیا اور وہ ناسب ہو گئے انہیں توبۃ النصوحاً کا مقام حاصل ہوا اور جہاد فی سبیل اللہ کی حقیقت سے شاد کام ہوئے پس ان کا حال، ان کی ہجرت اور ان کا جہاد زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ ان لوگوں سے جنہوں نے ان حالتوں کی پاشنی نہیں چکھی، پینا پنچہ نعیم بن ساد خزاعی سے منقول ہے کہ:

”میں ہمیشہ کے مقابلہ میں اس سے سخت ہوں کہ میں خود پہلے ہی تھا“

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءُوا بِالدِّينِ هَاجَرُوا
مَآ حَقَّتْ لِي عَلَيْهِمُ الْوَعْدُ وَأُولَٰئِكَ هُمُ
صَبْرًا وَإِنَّمَا يَلْبَسُونَ مِنَ الْوَعْدِ
بَعْدَ مَا لَعَنُوا، سَ حَيْثُمُ
پروردگار اس کے بعد نچنے والا مہربان ہے۔

(النحل: ۱۰)

حضرت عمر بن الخطاب اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو صحابہ کرام میں جو درجہ حاصل تھا، وہ کسی ایسے شخص سے پوشیدہ نہیں جو اسلام کی تاریخ سے واقف ہے۔ ایمان و عمل صالح کا معاملہ ہو، یا کفار و مشرکین سے جہاد کا کمال ہو، خواہ اللہ اور اس کے رسول کی نصرت فرمائی کا خصوصاً حضرت عمر کو تمام مسلمانوں پر جس میں صحابہ بھی شامل ہیں اسوائے ابو بکر صدیق کے تفوق حاصل ہے، کیونکہ وہ مجسمہ ایمان و اخلاص تھے صداقت و معرفت کے عرفان، اعلیٰ درجہ کے صاحبِ فراست اور سیاستدان تھے ایسا نور الہی تھے جو ہوائے نفس سے پاک ہو اور اقامتِ دین کے معاملہ میں بلند پایہ اور باہمت سپہ سالار تھے۔

الغرض فضائل اور کمالات کا موازنہ کرتے وقت انہما اور آخر حال کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ ابتدائی حالت کا کچھ لحاظ نہیں رکھنا چاہیے۔



توبہ اور نجاتِ داین

ذریعہ محبوبیتِ خداوندی | اسرائیلیات میں سے ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ
خداوند تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا:

اما الذنب فقد غفصناک و گناہ تو ہم نے معاف کر دیے لیکن
اما الود فلا یعود دوستی واپس نہیں لوٹ سکتی۔

اگر اس حکایت کی صحت کو درست مان لیا جاتا تو اس کی موجودگی میں ہم اپنے نبی
صلی اللہ علیہ وسلم کی آوردہ شریعت اور دین کا نام بھی زلے سکتے، کیونکہ حضرت محمد صلی
اللہ علیہ وسلم کا دین توبہ کے معاملہ کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ اگلی تمام شریعتوں میں
سے کسی نے بھی اس طرح پیش نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا:

انا نبی الرحمة وانا میں رحمت والا نبی ہوں اور میں توبہ
نجم التوبة والا نبی ہوں۔

بلاشبہ دین اسلام نے وہ تمام بندشیں اور رکاوٹیں دور کر دی ہیں جو پہلے مذاہب
میں موجود تھیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ
وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ○

بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں
اور پاکیزہ رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث منقول ہے:

ان الله تعالى يفرح بتوبة
القائم اعظم من فرح
الناس لما يحتاج اليه من
الطعام و الشراب والمركب
اذا وجد لا بعد الياس
بے شک اللہ تعالیٰ کسی توبہ کرنے والے
کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ
خوش ہوتا ہے جس کی اونٹنی کھانے
پینے کے سامان سے لہی ہوئی گم
ہو جائے اور وہ اس کی تلاش کر
کر کے مایوس ہو جائے اور پھر وہ
اچانک اسے مل جائے۔

افضلیت اعمال | اب تم خود سمجھ لو کہ جس سے خدائے تعالیٰ محبت رکھتا ہے اور
جس سے وہ خوش ہے کیا اس کے گناہ کا کوئی اثر باقی رہ سکتا ہے جس کو فضائل اور
کمالات کے موازنہ کے وقت ملحوظ رکھنا لازم ہے؟ بے شک وہ توبہ کے بعد خدائے
تعالیٰ کا محبوب ہے جب خوشی اور محبت الہی کا یہ حال ہے تو کس طرح کہا جاسکتا ہے:

اِنَّهُ لَا يَعْزُبُ لِمَنْ دَانَهُ
وہ اپنی دوستی کو واپس نہیں لانا۔

بالفاظ دیگر توبہ کرنے والا محبت الہی کو بیٹھتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

وَ هُوَ الْعَفْوُ وَالْوَدُّ وَهُوَ
وہ بخشنے والا، دوستی رکھنے والا،

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ○
بزرگی والا عرش کا مالک ہے جو چاہتا

فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ ○
ہم کرتا ہے۔ (البروج: ۴ تا ۱۶)

لیکن اس کی دوستی اور اس کی محبت کی کمی بیشی اس لحاظ سے ہوتی ہے جس لحاظ
سے آدمی تقرب الی اللہ حاصل کرتا اور توبہ و انابت کو ذریعہ حصول بنا تا ہے اور اگر
اس کے وہ اعمال صالحہ جو وہ توبہ کے بعد عمل میں لاتا ہے قبل از توبہ کے اعمال سے
افضل ہیں تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی بعد از توبہ

کی دوستی قبل از توبہ دوستی سے زیادہ بلند مرتبہ ہوگی۔ اگر ایسا نہ ہو تو معاملہ خراب ہو جاتا، کیونکہ جزائے اعمال بھی ایک جنس ہے اور خدا بندوں کو پورا پورا بدلہ دیتا ہے۔
 وَمَا نُبُكَ بِطَلَّامِ اللَّجْبِيدِ اور تیرا رب بے انصافی نہیں کرتا۔
 مفصلہ بالا آیت شریفہ اور حدیث کو پڑھ کر اس حدیث قدسی کا مضمون بھی ملحوظ رکھنا لازم ہے جو صحاح میں منقول ہے:

<p>جو شخص میرے کسی دوست کو دشمن سمجھتا ہے تو یقیناً میری طرف سے اسے اعلان جنگ ہے۔ میرا بندہ ان فرانس کی ادائیگی سے میرا قرب نہیں پایا بلکہ میرے قرب کے لیے کثرتِ نوافل کا شغل اختیار کرتا ہے حتیٰ کہ مجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے، پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ پس وہ مجھ ہی سے سنتا اور مجھ ہی سے دیکھتا اور مجھ ہی سے پکڑتا اور مجھ ہی سے چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے</p>	<p>مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ اذْنَبَهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِمِثْلِ اَدَاءٍ مَا اَقْرَبْتُمْ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى اُحِبَّهُ فَاِذَا اُحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا نَبِيٌّ يَسْمَعُ وَيَبْصُرُ وَيَبْطِشُ وَيَمْشِي وَلِيٌّ سَالِيٌّ لَا عَظِيْمَةٌ وَلِيٌّ اسْتَعَاذَنِي لَا عِيْدَةَ وَمَا تَرَدَّدْتُ نِي شَيْءٍ اَنَا فَاِعْلُهُ تَرَدَّدِي نِي</p>
--	---

تَبِضْ نَفْسِي عَبْدِي
 الْمَوْتُ مِنْ يَكُنْ هُ الْمَوْتُ
 نَا كُنْ هُ مَسَاءَتَهُ نَا
 بُدَلَهُ مِنْهُ

سوال کرے تو میں ضرور پورا کرتا ہوں
 اور اگر میری پناہ چاہے تو اسے پناہ
 دیتا ہوں اور جو کچھ میں چاہتا ہوں،
 کر لیتا ہوں کیونکہ میرا چاہنا میرے اپنے
 قبضہ میں ہے۔ میرا بندہ موت سے
 کراہت کرتا ہے اور میں اس کی
 برائی ناپسند کرتا ہوں اور یہ اس کے
 لیے ضروری ہے۔

افضل بعد از انبیاء | یہ بھی معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل ترین لوگ
 مہاجر اور انصار ہیں جو سابقین اور اہلین میں سے تھے اور اپنے پروردگار سے محبت اور
 دوستی کا دم بھرتے تھے اور وہ بھی قبل از اسلام کفر و فسق، عصیان و طغیان سے توبہ
 کے بعد اس مقام عالی پر فائز ہوئے تھے۔ ان کی دوستی اور محبت کا یہ تقرب والرض
 کی ادائیگی کے بعد نوافل کے ذریعے حاصل ہوا، اس طرح وہ خدا کے محبوب و
 مقبول اور دوست اور محب صادق بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ
 وَ بَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ
 مَوَدَّةً ۗ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۗ
 اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان
 لوگوں کے درمیان جو تمہارے ساتھ
 عداوت رکھتے ہیں، آپس کی الفت
 پیدا کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس بات
 پر قادر ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(الممتحنہ: ۷)

یہ آیت ان مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے جنگِ احزاب میں
 اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ دشمنی کی تھی۔ جیسے ابوسفیانؓ بن حرب، ابوسفیانؓ

بن حرث، حرث بن ہشام، سہیل بن عمر، عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ وغیرہ، پھر انہی لوگوں نے اپنی دشمنی کے بعد رسول اللہ اور مسلمانوں سے خدا کو درمیان میں لاکر دوستی کا عہد پیمان باندھا مگر ادریبی ان کی فضیلت کی وجہ سے پھر عکرمہ، سہیل، حرث بن ہشام، تینوں کی دوستی ابوسفیان کی دوستی سے بھی افضل ہے۔ نیز صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ:

<p>ان ہند اسعد ابی سفیان ام معاویہ قالت یا رسول اللہ ما کان علی وجہ الامراض اهل خباء احب الی ان یذلوا من اهل خباء ک وقد اصبحت و ما علی وجہ الامراض اهل خباء احب الی ان یعزوا من اهل خباء لئ فذلک النبی صلی اللہ علیہ و سلم نحو ذلک</p>	<p>ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے کہا جو معاویہ کی ماں تھی، خدا کی قسم اے اللہ کے رسول! روئے زمین پر کوئی بھی گھرانہ نہیں تھا جو مجھے زیادہ محبوب ہو اگرچہ وہ ذلیل ہوں، آپ کے گھرانہ سے اور اب میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ روئے زمین پر کوئی گھرانہ نہیں مجھے زیادہ محبوب جانوں، اگرچہ وہ زیادہ معزز ہوں آپ کے گھرانہ سے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی بیان فرمایا۔</p>
--	--

نیز یہ مسلمہ امر ہے کہ مومنوں کی محبت اور دوستی، اللہ کی محبت کے تابع ہے کیونکہ
موفق ترین ایمان الحب فی اللہ و البغض فی اللہ ہے۔ پس اللہ کی محبت کمال توحید
سے ہوتی ہے اور اللہ کی سی محبت کرنا شرک ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ
مِنْ دُونِ اللَّهِ أَسَدًا

انسانوں میں سے کچھ انسان ایسے
بھی ہیں جو خدا کو چھوڑ کر دوسری ہستیوں

يُحِبُّوْنَ لَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (البقرة: ۱۷۵)

کو اس کا شریک بنا لیتے ہیں جنہیں وہ اس طرح محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہیے۔ حالانکہ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ سب سے زیادہ محبوب اللہ کو سمجھتے ہیں۔

دوستی اور دشمنی کا اصول | یہی دوستی رسول اور مومنوں کے مابین ہوتی اور ان مشرکین کے درمیان بھی ہوتی جنہوں نے ان کے ساتھ دشمنی کی ہوتی، حقیقی دوستی اور محبت وہی سب سے جو صرف اللہ کے لیے ہو جو اللہ کو محبوب جانتا ہے اللہ اسے خوب محبوب رکھتا ہے اور جو اللہ کو دوست بناتا ہے، اللہ اسے دوست بنا لیتا ہے۔ پس جان لو کہ توبہ کے بعد اللہ انہیں اس طرح محبوب اور دوست بنا لیتا ہے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ توبہ کرنے والا بخشش تو حاصل کر لیتا ہے مگر دوستی حاصل نہیں کرنا۔

اگر سائل کا یہ اعتراض ہو کہ کافر ہونے کی وجہ سے وہ یہ نہیں جانتے کہ جو کچھ انہوں نے کیا وہ فعل حرام ہے۔ بلکہ وہ تو جاہل تھے، اس لیے نادانستہ ایک حرام فعل کے مرتکب ہوئے۔ اس کا جواب دو طرح پر ہے:

اول تو یہ بات غلط ہے کہ انہوں نے نادانستہ ارتکاب حرام کیا ہو کیونکہ اکثر کافر بھی جانتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور حسد و تکبر کی بنا پر آپ سے دشمنی کرتے تھے جیسے مثلاً ابوسفیانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبریں عام یرموک میں امیہ بن ابیصلت اور ہرقل بادشاہ روم سے سنی تھیں پھر بھی وہ اسلام کے ہی خواہ نہ بننا در اللہ اور اس کے رسول سے بہت بڑی دشمنی کرتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ مشرف باسلام ہوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ
 اللَّهُ إِلَهًا آخَرَ وَ لَا يَسْتَلُون
 النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا
 بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُونَ وَ مَنْ
 يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَتَمًا
 يَضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ
 الْقِيَامَةِ وَ يَخْلُدُ فِيهِ
 مُعَانًا إِلَّا مَنْ تَابَ وَ اتَّقِ
 اللَّهَ عَسَىٰ أَنْ يَكْفُرَ بِهِ
 اللَّهُ لِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ
 (الفرقان : ۷۸ تا ۷۶)

جو لوگ اللہ کے ہمراہ کسی دوسرے مجبوز
 کی پرستش نہیں کرتے اور جس جان
 کو مارنا حرام کر دیا ہے اسے نہیں مارے
 مگر حق کے ساتھ اور نہ ہی وہ زنا کرتے
 ہیں جو شخص ایسا کرے گا وہ سخت
 عذاب پائے گا۔ قیامت کے دن
 اسے عذاب دگنا کر دیا جائے گا اور
 وہ ذلیل ہو کر اس میں ہمیشہ رہے گا
 مگر جو شخص توبہ کر لے اور نیک کام کرے
 یہی لوگ ہیں جن کے گناہ نیکیوں سے
 بدل دے گا۔

پس نیکیاں ہی ہیں جو ان کے لیے اللہ کی دوستی کا موجب ہوئیں اور برائیوں کو
 نیکیوں سے بدلنا ان لوگوں کے لیے ہرگز مخصوص نہیں ہے جو کافر رہے جیسا کہ اللہ
 تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سب کی توبہ کو شرف قبولیت حاصل ہوتا ہے :

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ
 يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ
 ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ
 فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
 وَ كَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا
 (النساء : ۱۷)

اللہ کے حضور توبہ کی قبولیت انہی
 لوگوں کے لیے ہے جو برائی کی کوئی
 بات نادانی و بے خبری سے کر بیٹھے
 ہیں تو پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں تو ایسے
 ہی لوگ ہیں۔ اللہ ان کی توبہ قبول فرما
 لیتا ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جانتا
 حکمت والا ہے۔

حضرت ابو العالیہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابہؓ سے اس آیت کریمہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا جس کسی نے اللہ کی نافرمانی کی وہ جاہل ہے اور جس کسی نے مرنے سے پہلے توبہ کر لی تو اس کی توبہ عنقریب قبول ہوگی۔

محبوب اللہ | دوسرے دووں قسم کی توبہ کے درمیان جو فرق کیا جاتا ہے خواہ گنہگار کی توبہ ہو یا مطلق توبہ۔ تو اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے خواہ وہ جانتے ہوں کہ وہ گنہگار ہیں یا نہ جانتے ہوں۔ اس لیے جو شخص اپنے کو مجرم گردان کر توبہ کرے گا تو فروری ہے کہ اس کی مذموم صفت، محمود سے بدل دی جائے، یعنی اگر وہ حق کو مبغوض جانتا تھا تو وہ اسے محبوب جاننے لگے گا اور اگر باطل چیز سے محبت کرتا تھا تو وہ اسے ناپسند کرنے لگ جائے گا۔ پس اس طرح توبہ کرنے والے کو معرفتِ حق حاصل ہوگی۔ حق کو اچھا سمجھ کر اس پر کار بند ہو جائے گا اور باطل کو بُرا جان کر اس سے اجتناب کرے گا۔ سو یہی باتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرماتا، ان سے خوش ہوتا اور محبت کرتا ہے۔ اس طرح جس بندے کا بھی جو کام محبوبیتِ حق میں جس قدر عظیم ہوگا، حق تعالیٰ بھی اسی قدر عظیم محبت سے پیش آئے گا اور اسے مکروہات سے پھیر کر پسندیدہ کاموں کی طرف منتقل کر دے گا اور ساتھ ہی وہ اس قوت کے ساتھ جس سے وہ باطل کو مبغوض جانے گا۔ خدا کی پسندیدہ چیزوں کو محبوب سمجھنے لگ جائے گا۔ پس یہ محبتِ حق کی زیادتی کا موجب ہوگی اور اس کی دوستی سے بہرہ مند ہونے کی بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو نیکیوں سے اس لیے بدل ڈالے گا کہ اس نے اپنی مذموم صفات کو محمود اور قابلِ تعریف بنا لیا ہے۔

جزائے اعمال بھی چونکہ ایک جنس ہے اور جب توبہ کرنے والا خدا کی پسندیدہ چیزوں کا اس المال بنسبت دوسروں کے زیادہ لے کر آئے گا تو خدا کی محبت بھی عظیم ترین ہوگی اور جب اس کے کام جن کو اللہ دوست رکھتا ہے توبہ قبول کرنے سے پہلے

کاموں سے زیادہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ بھی توبہ کرنے کے بعد اس سے زیادہ دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا، پھر یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ:-

المؤدۃ لا یحسد | خدا کی دوستی حاصل نہیں ہوتی۔
 الغرض یہ کہنا جیسے کہ بعض اسرائیلیات سے منقول ہے کہ توبہ کرنے سے منہ زبانت
 تو حاصل ہو جاتی ہے لیکن خدا کی دوستی حاصل نہیں ہوتی اور اس کی محبت سے انسان
 محروم رہتا ہے، ایک سرسرا لغو اور باطل قول ہے۔

اہل تشیع کے عقیدے کی تردید

قبل از نبوت معصومی انبیاء | اس تقریر سے ان لوگوں کے شبہہ کا جواب ہو جانا
 ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نبی کے لیے ضروری ہے کہ نبوت سے پہلے بھی وہ گناہوں سے معصوم
 ہو جیسا کہ بعض اہل تشیع کا اعتقاد ہے اور اسی طرح جس نے کہا کہ ہرنبی کے لیے ضروری
 ہے کہ نبوت سے پہلے بھی مومن ہو کیونکہ ان لوگوں کو یہی غلط فہمی ہے کہ کسی گناہ کا
 صادر ہونا ہمیشہ کے لیے اس کے مرتکب کے ہاتھ پر کلنگ لگاٹھ لگا جاتا ہے۔
 چاہے اس نے اس سے توبہ کر لی ہو لیکن ہم نے تم پر ثابت کر دیا ہے کہ سچی توبہ کے
 بعد آدمی خدا سے تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے اور گزشتہ افعال سے اس کی تنقیص
 نہیں کی جاسکتی اور جو لوگ اس کو نقص خیال کرتے ہیں وہ بھاری غلطی کے مرتکب ہوتے
 ہیں جو مذمت اور عقوبت کسی گناہ کا نتیجہ ہو سکتی ہے، وہ اس شخص کے لیے ہرگز
 نہیں جو اس سے تائب ہو چکا ہے۔

”تاخیر و توقف قابلِ پاداش | البتہ اگر گناہ صادر ہونے کے بعد توبہ میں تاخیر کی جائے اور توقف کے مناسب حال سزا کا وہ مستوجب ہوگا لیکن انبیاء علیہم السلام نے کبھی توبہ میں تاخیر نہیں کی اور اگر بالفرض کسی نے کچھ تاخیر کی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً اس کو آزمائش میں ڈالا جس سے اس کا کفارہ ہو گیا۔ چنانچہ ذی النون (یونس علیہ السلام) کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ نبوت کے بعد یہ واقعہ پیش آیا اور جو شخص کہتا ہے کہ قبل از نبوت کا واقعہ ہے توبہ بات چنداں قابلِ التفات نہیں، کیونکہ کفر و ذنوب سے توبہ کرنے والے بہر حال ان لوگوں سے افضل ہیں جو سرے سے کفر و ذنوب میں ملوث نہیں ہوئے۔ جب ان کی فضیلت متحقق ہوگی تو فروری ہے کہ فضیلت والے نبوت کے زیادہ حقدار ٹھہریں۔

بُطْلَانِ عَقِيدَةِ بَاطِلِهِ | ابرہہ کیف قرآن کریم کے لفظوں سے اس قول کو باطل قرار دیتے ہیں کہ توبہ کے بعد بھی انسان اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم رہتا ہے مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ قرآن کریم میں پڑھو تو تم پر واضح ہو جائے گا کہ آپ کے بھائیوں نے آپ کے ساتھ کیا کچھ کیا اور کن کن گناہوں کے وہ مرکب ہوئے لیکن بائیں ہمہ اسباط یعقوب علیہ السلام کا نبی ہونا قرآن کریم کی آیات سے ثابت ہے۔ خود حضرت یوسف علیہ السلام توبہ کے بعد ان سے اس طرح مخاطب ہوئے کہ:

لَا تَنْسِيَنِي عَلَيْنَا يَا أَيُّهَا الْمَلِكُ | آج تم پر کچھ سلامت نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

فَأَمِّنْ لَهُ لَوْ طَوَّأَ | پس ان پر لوط ایمان لے آئے اور

إِنِّي مُعَاجِئٌ إِلَيْكَ يَوْمَئِذٍ | کہا بے شک میں اپنے رب کی

(العنکبوت: ۲۶) | طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔

جس کے بعد اس بات کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو اپنی

قوم کی طرف پیغمبر بنا کے بھیجا اور ان کی پیغمبری کا قصہ کئی جگہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔
حضرت شعیب علیہ السلام کے قصے کے اثنار میں آتا ہے،

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَوْمِنَا أَوْ لَنَعُوذَنَّ فِي مِلَّتِنَا قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ قَدْ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْهَا وَ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُوذَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا مَا بَدَأَنَا أَنْ نَخَّ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ أَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ

شعیب علیہ السلام کی قوم کے گردن کشوں نے کہا، اے شعیب ہم تم کو اور جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو بھی اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔ شعیب نے کہا اگر ہم تمہارے دین سے متنفر بھی ہوں، تب بھی؟ جب اللہ نے ہمیں تمہارے باطل مذہب سے نجات بخشی ہے تو اگر اب ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے اللہ پر جھوٹا ہانڈھا اور ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہاری طرف لوٹیں مگر جو کچھ ہمارا رب چاہے، ہمارے رب کا علم ہر ایک چیز کو گہرے ہوئے ہے۔ ہمیں اللہ پر پورا بھروسہ ہے۔ اسے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کھول دے۔ اور تو بہتر کھولنے والا (حق کا)

الاعراف: ۱۹۲، ۱۸۸

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

<p>منکروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تمہیں اپنے ملک سے ضرور نکال باہر کریں گے۔ یا پھر تم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ۔ ہم تم رسولوں پر وحی بھیجی اب ہم ان ظالموں کو ہلاک کر ڈالیں گے اور ان کے بعد تمہیں اس سرزمین میں جگہ دیں گے۔ یہ اس کے لیے ہے جو ہماری حکومت سے ڈرا اور ہماری وعید سے خائف ہوا</p>	<p>وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِئَسْلِمِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ فِي مَسَلَّتِنَا فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَأَيْتُمْ لَتُسْهِدِكُمُ الظَّالِمِينَ وَلَتُسْكِنَنَّكُمْ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذَلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيَّ وَخَافَ وَعِيدِ</p> <p>(الرعد: ۱۳، ۱۴)</p>
--	---

العرض گناہ صادر ہو جانے کے بعد تائب ہونا تنقیص کا موجب نہیں
بلکہ توبہ بھی منجملہ دیگر فضائل اور کمالات کے ایک فضیلت اور کمال ہے۔



بلا استثناء فرضیتِ توبہ

حُصُولِ کَمَالِ کَاذِرِیْعِہ | ہر ایک شخص پر توبہ فرض کی گئی ہے کیونکہ توبہ ہی اس کے لیے حصولِ کمال کا ذریعہ ہے۔ کلامِ مجید میں ہے:-

إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَاهِلًا لَا
يَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ الْمُنَافِقِينَ
وَ الْمُنَافِقَاتِ وَ الْمُشْرِكِينَ
وَ الْمُشْرِكَاتِ وَ يَتَّبِعِ
اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَ
الْمُؤْمِنَاتِ وَ كَانَ اللَّهُ
عَفُوفًا رَحِيمًا

بے شک نوعِ انسانی بہت ظالم اور جاہل ہے اس کا انجام اور نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے گا، اور مومن مردوں اور مومن عورتوں پر ان کی توبہ کی وجہ سے رحمت کے ساتھ رجوع فرمائے گا اور بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(الاحزاب: ۷۳)

بالفاظِ دیگر نوعِ انسانی کے ہر ایک فرد کا کمال اس میں ہے کہ وہ تائب ہو جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے،

وَ تَتُوبُ إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا | مومنو! تم سب اللہ کی طرف رجوع

اَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ
تُقْلِحُونَ
اور اس کی بارگاہ میں تائب ہو
جاؤ (تب یہ امید رکھو کہ تم کامیاب
ہو گے۔ (النور: ۳۱)

مورِدِ عَمَائِرِ الرَّبِّ | اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس بات کی خبر دی ہے
کہ آدم اور نوح علیہما السلام اور دیگر انبیائے عظام حتیٰ کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
نے توبہ کی اور مورِدِ عَمَائِرِ ہوئے۔ سب سے آخر میں جو آیتیں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:-

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ
وَمَا آيَاتِ النَّاسِ يُدْخِلُونَ
فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ
بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَخْفِرْهُ
إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا
جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت
اور فتح مندی کا ظہور ہوگا اور تم دیکھو
گے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں
جو حق درجوق داخل ہو رہے ہیں
تو تم اللہ تعالیٰ کی پاکی اور اس کی حمد
بیان کرو اور اس سے مغفرت طلب
کر دے تاکہ وہ توبہ قبول کرنے
والا اور رجوع کرنے والا ہے۔ (النصر: ۱ تا ۴)

اِسْوَةٌ نَبِيٌّ | صحیحین میں حضرت، عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان آیات
کے نازل ہونے کے بعد آپ اکثر رکوع و سجد میں یہ الفاظ دہرایا کرتے تھے:
سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ مَا بَنَانُ | پاک ہے تو اے اللہ ہمارے پروردگار!
بِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اعْفُفْ لِي | اور تیرے لیے ہی سب تعریف
ہے۔ یا اللہ! مجھے بخش دے۔

یہ قرآن کریم کی تاویل ہے اور اس سے قبل فرمایا ہے:-

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُشَاقِقِينَ وَالْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَنْفُخُ الْقُلُوبَ فَرِيقًا مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

بشیک اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور ان مہاجرین و انصار کی توبہ قبول فرمائی جنہوں نے تنگی کے وقت میں آپ کا ساتھ دیا۔ ان کے توبہ کرنے اور پھر ان کی توبہ مقبول ہونے سے پیشتر قریب تھا کہ ان میں سے ایک فریق کے دل راہ راست سے منحرف ہوں۔ اس حالت کے بعد اللہ نے ان پر رحمت کے ساتھ رجوع فرمایا اور ان کی توبہ قبول کی۔ بشیک وہ ان پر نہایت ہی مہربان ہے۔

(التوبہ: ۱۱۴)

ستر بار سے زیادہ مرتبہ توبہ صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول منقول ہے کہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ تَوَّابُوا إِلَى اللَّهِ مَا بَكَرُ فَوَ الْذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَا أَسْتَعْفِفُ اللَّهَ وَ أَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِن سَبْعِينَ مَسَّةً

لوگو! اللہ کی طرف رجوع کرو اور تائب ہو جاؤ۔ مجھے اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ بے شک میں دن بھر میں ستر سے بھی زیادہ مرتبہ اللہ سے معفرت طلب کرتا ہوں اور اس کی بارگاہ میں تائب ہوتا ہوں۔

استغفار کی دعائیں

سوسو بار توبہ | رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ:

انی لیخان علی قلبی وانی | بے شک میرا قلب گناہ ہے اور
لا استغفر الله فی الیوم | دن میں سو بار اللہ سے بخشش مانگتا
مائة مرة | ہوں۔

سنن میں ابو عمر سے منقول ہے کہ ہم گنتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ایک ہی مجلس میں مندرجہ ذیل کلمات سو بار کہے:

ما ب اغض لی و تب | میرے پروردگار مجھے بخش دے اور
علیٰ انک انت التواب | میری توبہ قبول فرما۔ بیشک توبہ بڑا ہی
الغفور | توبہ قبول کرنے والا بخشنے والا ہے۔

قومہ نماز کی دعا | صحیحین میں ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي | یا اللہ! میری خطاؤں، میری نادانی،
وَجَلْبِي وَاسْرَافِي | اور میرے کاموں میں میرا اسراف
أَمْرِي وَ مَا أَعْلَمُ | اور جو میرے عیوب تجھ پر ظاہر ہیں
بِهِ مِنْهُنَّ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي | سب معاف فرما دے۔ یا اللہ میری

ہزلیات اور میری قصدِ اخطائیں اور
 مہجول چوک اور ایسی ہی میری اور غلطیاں
 بخش دے، یا اللہ میری مقدم و مؤخر
 اور پوشیدہ اور علانیہ کی خطائیں اور جو
 کچھ عیوب تو میرے متعلق جانتا ہے،
 سب معاف فرما دے، تو ہی مقدم
 اور تو ہی مؤخر ہے اور تو ہی ہر طرح کی
 سب باتوں پر قادر ہے۔

هَذَا لِي وَجِدِّي وَخَطَايِي
 وَعَمَدِي وَكُلِّ ذَلِكَ عِنْدِي
 اللَّهُمَّ اغْنِنِي مَا قَدَّمْتُ
 وَ مَا أَخَّرْتُ وَ مَا أَسْرَدْتُ
 وَ مَا أَعْلَنْتُ وَ مَا أَنْتَ أَعْلَمُ
 بِهِ بَسْتِي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَ
 أَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَ أَنْتَ عَلِيٌّ
 كُلِّ شَيْءٍ بِرَدِّ يَدَيْكَ

تبکیر تحریر اور قرآنہ کی درمیانی دعا
 ہے کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ! تجیر اور قرآنہ کے درمیان
 خاموش رہ کر آپ کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، میں یہ دعا پڑھتا ہوں:

بارخدا یا! میرے اور میرے گناہوں
 کے درمیان مشرق اور مغرب کا فاصلہ
 ڈال دے۔ بارخدا یا! مجھے گناہوں
 سے اس طرح پاکیزہ بنا دے جیسے
 سفید کپڑے کو میل کھیل سے اجلا کر
 لیا جاتا ہے۔ بارخدا یا! میرے گناہوں
 کو رحمت کے پانی اور برف اور
 اولوں سے دھو ڈال۔

اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ
 خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ
 الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ
 اللَّهُمَّ تَقْنِي مِنَ الْخَطَايَا
 كَمَا تَقْنِي الثَّوْبَ إِلَّا بَيْضَ
 مِنَ الدَّنَسِ اللَّهُمَّ اغْنِنِ
 خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَ الشَّلْجِ
 وَ الْبَرَدِ

صحیح مسلم کی ایک روایت ہے کہ آپ رکوع سے سزاٹھا کر بھی یہی الفاظ زبان

پر لاتے تھے۔

آغا رتاز کی دعا | نیز صحیح مسلم میں حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

<p>بار خدایا! تو بادشاہ ہے تیرے بغیر کوئی اور معبود نہیں، تو میرا پروردگار ہے اور میں تیرا بندہ ہوں۔ میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور برائیاں کیں بے شک سوا کسی تیرے اور کوئی گناہوں کا بخشنے والا نہیں۔ بار خدایا! مجھ کو بہترین اخلاق و اعمال کی ہدایت فرما۔ سوائے تیرے اور کوئی یہ ہدایت دینے والا نہیں اور برے اخلاق و اعمال مجھ سے دور رکھ بیشک تیرے سوا اور کوئی مجھ کو ان سے دور نہیں رکھ سکتا۔</p>	<p>اللَّهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ مَرِيئٌ وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِي وَعَمَلْتُ سُوًّا فَإِنَّهُ لَا يَخْفِيَنَّ الذَّنْبُ إِلَّا أَنْتَ اللَّهُمَّ اهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَأَصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا فَإِنَّهُ لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ</p>
--	---

سجے کی دعا | اسی طرح صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں کہا کرتے تھے کہ:

<p>بار خدایا! میرے تمام چھوٹے اور بڑے ظاہر اور پوشیدہ، اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے۔</p>	<p>اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّةً وَجِلَّةً وَعَلَا بَيْتَهُ وَسَيِّئَةً وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ</p>
--	--

سواری کی دعا | تینوں میں حضرت علیؑ نے ابنی طالب سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب سواری لائی گئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور یہ آیت پڑھی:

سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرْنَا لَنَا هَذَا
وَ مَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ
وَ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ

پاک ہے وہ خدا جس نے اس قسم کی سواگت
کو ہمارے لیے مسخر کیا، حالانکہ ہم ان
کے مقابلے کے نہیں تھے۔ اور بیشک
ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے
والے ہیں۔

(زخرف: ۱۴)

پھر تحکیر کہ کر حمد کے الفاظ زبان پر لائے اور فرمایا:

سُبْحَانَكَ ظَلَمْتُ نَفْسِي
فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ
الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ

تو پاک ہے میں نے اپنے نفس پر
ظلم کیا۔ مجھ کو بخش دے بے شک
تیرے سوا کوئی اور گناہوں کی مغفرت
نہیں سزا داتا۔

پھر آپ نے ہنس دیا اور فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ بَعْدَ إِذَا قَالَ
أَغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ
الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ

بے شک پروردگار عالم اپنے بند سے
پر تعجب کرتا ہے جب وہ کہتا ہے،
خدا یا مجھے بخش دے، کیونکہ تیرے
سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں۔

قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرمایا:

وَ اسْتَغْفِرْ لِدُنُوبِكِ
وَ الْمُؤْمِنَاتِ

تم اپنے گناہوں کے لیے اور دیگر مومن
مردوں اور مومن عورتوں کے لیے مغفرت
طلب کرو۔

قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا
بے شک ہم نے تم کو نمایاں فتح سزا

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَأَخَّرَ | عنایت کی اور بالآخر اللہ تعالیٰ تمہارے
صالح میں روایت شفاعت میں ثابت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اپنی امت
کو جب وہ ان کے پاس شفاعت کی غرض سے حاضر ہوں گے تو فرمائیں گے :-

إِذْ هَبُوا إِلَى مُحَمَّدٍ عَبْدٍ | محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ
غَفَرَ اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ | اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے سب
ذُنُوبِهِمْ وَ مَا تَأَخَّرَ | گناہ معاف فروادیلے ہیں

دوسری حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر لباً قیام فرماتے تھے
کہ آپ کے دونوں قدم مبارک ستورم ہو جاتے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ اس
قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں تو آپ نے فرمایا:

أَفْلا أكون عبداً شكوراً | کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار
بندہ نہیں جاؤں۔



مفسرین کی غلط تاویلات

فرقہ جمیہ باطنیہ کی توجیہ | الغرض کہاں تک قرآن اور حدیث کے حوالے بیان کیے جائیں اور صحابہ و تابعین اور علمائے سلف کے اقوال سنائے جائیں لیکن جو لوگ بزعم خود انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہونے کو ان کے لیے کسرِ شان خیال کرتے ہیں۔ وہ ان نصوص کی اسی طرح تاویل کرتے ہیں، جس طرح جمیہ اور باطنیہ نے اسرار اور صفاتِ الہیہ تعالیٰ شانہ کے حقائق سے انکار کرنے کے لیے گھڑی ہیں جن کو تاویل کے بجائے تحریف کہنا انساب معلوم ہوتا ہے۔

غلط توجیہ کی ایک مثال | شتہ نوز از خودار سے وہ یہ کہتے ہیں کہ؛

”مَا تَقَدَّمَتْ مِنْ ذَنْبِكَ مِنْ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كِى الْغُرَشِشِ مِرَادِ هُوَ اَوْ
وَ مَا تَأَخَّرَتْ كَالْمَفْهُومِ يَرْتَبِعُ كَمْ تَهَارَى اَمْتِ كَسِ الْغَاةِ بَخْشِ دِيں كَسِ“

یہ توجیہ بالکل غلط ہے اور اس کے متعدد وجوہ ہیں۔

وجوہاتِ سابعہ | یہ آیت بالفاق مفسرین و اہل حدیث صلح حدیبیہ کے موقع پر

(۱) نازل ہوئی ہے لیکن آدم علیہ السلام کا گناہ تو ان کے زمین پر آنے سے پہلے ہی

بخشا جا چکا تھا اور ان کی توبہ قبول ہو چکی تھی جیسے کہ قرآن شریف میں مختلف

جگہوں پر یہ قصہ پڑھنے سے واضح ہو جاتا ہے، فرمایا؛

وَ عَصَى آدَمُ مَآبَةَ فَغَوَى | آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَأْتِ بِذَنْبِهِ اَوْ

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ
 (طہ : ۱۲۱، ۱۲۲)

نا فرمائی کی تو وہ بے راہ ہو گیا، پھر اس کے پروردگار نے اسے برگزیدہ کیا، اس کی توبہ قبول کی اور وہ ہدایت پا گیا۔
 دوسری جگہ ہے:

فَتَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهَا
 كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ
 هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ
 (البقرہ : ۳۷)

پھر آدمؑ نے اپنے پروردگار سے چند کلمے سیکھے۔ اللہ نے اس کی توبہ قبول کر لی وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اور قرآن نے بیان کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے یہ دعا کی:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّا
 كَرَمٌ تَعْظُرْنَا وَنَنحْمُنَا
 لَنَسْكُنَنَّ مِنَ الْخَبِيثِينَ
 (الاعراف : ۲۳)

اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بچھے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم ضرور زیاں کاروں میں سے ہو جائیں گے۔

(۲) علاوہ ازیں آدم علیہ السلام بھی توبہ نہیں اور جو لوگ عصمت انبیاء کے ان معنوں میں قائل ہیں کہ ان سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا اور اس بارے میں آدم اور محمد علیہما الصلوٰۃ میں کوئی فرق نہیں کرتے اس لیے ان کی اس توجیہ کو مستتر ہونے بھی دلیل کا زور قائم رہتا ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے متعدد آیتیں نازل فرما کر اپنا اٹل قانون یہ بتایا ہے کہ:

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ
 (نساء : ۱۳۱)

کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔

اس لیے سمجھ میں نہیں آتا کہ آدم علیہ السلام یا آپ کی امت کے گناہوں کو کیوں

آپ کی طرف منسوب کیا جائے۔ ارشاد ہوتا ہے:

فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ
مَّا حَمَلْتُمْ
(النور: ۵۴)

اس چیز کا بوجھ اسی پر ہے جس نے اسے
اٹھایا اور تم پر اس کا بوجھ ہو گا جو تم اٹھا
گے۔

اور پھر فرمایا،

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا
تُكَلِّفُ الْإِنْسَانَ
نَفْسَ كَيْفَ هِيَ ذِمَّةٌ ذِمَّةُ اللَّهِ

اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑائی کرو۔ تم اپنے
نفس کے ہی ذمہ دار ہو۔

اگر کسی دوسرے کے گناہ کی ذمہ داری دوسرے پر عائد کرنا جائز ہوتا تو پھر یہ بھی
جائز ہوتا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے سب کے سب گناہ حضرت محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کی طرف منسوب کیے جا سکیں تو پھر کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے
اس فرمان کا ان کے پاس کیا جواب ہے کہ:

لِيُخْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ
مِنْ ذُنُوبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ
اور پچھلے گناہ بخش دیے۔

آپ سے قبل تمام نبیوں اور ان کی امتوں کے گناہوں کا جو بیان ہے تو دراصل
اس سے مراد قیامت کا دن ہے جو آپ سب مخلوقات کے لیے شفاعت
کریں گے آپ بنی نوع انسان کے سردار ہیں جیسا کہ آپ نے فرمایا:

اَنَا سَيِّدُ آدَمَ وَلَا نَحْرَ
آدم من دونہ تحت
اَنَا
قیامت کے دن میں بنی نوع انسان
کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں
حضرت آدم بھی میرے جھنڈے تلے
خطیب الانبیاء اذا وفدوا ہوں گے میں تمام نبیوں کا خطیب
و اما سرہم اذا اجتمعوا ہوں گا جب وہ وفد کی شکل میں خدا

کے حضور حاضر ہوں گے اور ان کا امام
ہوں گا۔ جب وہ سب جمع ہوں گے

پس اس طرح حضرت آدمؑ کے گناہ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
نسبت کرنے سے کوئی خصوصیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ تو اولین و آخرین
سب کے گناہ آپ کے ذمہ لگاتے ہیں اور اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ تمام امتوں
کے گناہ نہیں بخشے گا تو وہ کہیں گے کہ آپ کی تمام امت کے گناہ بھی نہ بخشے گا۔

(۴) اس آیت سے:

وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْيِكَ
لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
اسپنے اور تمام مومن مردوں اور مومن
عورتوں کے گناہوں کی بخشش طلب
کر۔ (محمد، ۱۹)

واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا گناہ امت کا گناہ نہیں اور نہ ہی امت
کے گناہ آپ کی طرف منسوب کیے جاسکتے ہیں ورنہ صرف وَاسْتَغْفِرْ
لِدُنْيِكَ کہنا کافی ہوتا۔ پھر ایک مومن کا گناہ کس طرح آپ کی طرف منسوب کیا
جاسکتا ہے؟

(۵) صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ
مِنْ ذُنُوبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ
اس کا گناہ معاف کر دیے۔

تو صحابہ کرام نے آپ کی خدمت میں عرض کیا، یہ تو آپ کے لیے اور ہمارے لیے؟
اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ
الْمُؤْمِنَاتِ بَجَنَّتِ تَجْرِي
اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ مومن مرد
اور عورتوں کو جنت کے باغوں میں

مِنْ تَحْتِهَا الْأَشْرَارُ
(الفحج: ۵۰)

داخل فرمائے گا جن کے درختوں کے نیچے نہیں بہتی ہیں۔

اور فرمایا:

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ
فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ
لَيْسَ دَاوُدَ آيْمَانًا مَعَ
إِيْمَانِهِمْ

اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں میں
اطمینان اور سکینت آاتا ہے تاکہ
ان کے ایمان میں اور اضافہ ہو۔
(الفحج: ۴)

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جانتے تھے کہ لِيُغْفِرَ لَكَ اللهُ کی آیت آپ ہی کے لیے ہے اور امت اس کے مفہوم میں داخل نہیں۔

(۶) یہ ایک یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام امت کے گناہ نہیں بخشے ہیں، لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ مَا نَأْخُذُ سے آپ کی امت کے گناہ مراد ہیں کیوں کہ آپ کی امت میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جن کو دنیا ہی کی زندگی میں اور نیز آخرت میں ان کے گناہوں پر مواخذہ اور عذاب ہوتا ہے اور ہوگا۔ صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بابت خبر دی ہے اور ائمہ سلف کا اس پر اتفاق ہے اور اس قسم کے واقعات روزمرہ دنیا میں مشاہدہ کیے جاتے ہیں جن کا شمار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا، جیسے اس نے کلام مجید میں فرمایا ہے:

لَيْسَ بِأَمَانَةٍكُمْ وَلَا أَمَانِي
أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ
سُوءًا يُجْزَى بِهِ وَلَا يُجْزَى

اللہ تعالیٰ کے احکام اور قوانین نہ تو
تمہاری (مسلمانوں کی) آرزوؤں کے
مابعد ہیں اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں

لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيبٌ لَنَا مِنَ الْمَالِ إِذَا هَلَكَ ○ وَ مَنْ يَعْصِلْ مِنْ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَنْ أُنْتَهَىٰ وَ هُوَ مُعْتَمِدٌ فَإِنَّ لَكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيبًا ○

پر کچھ منحصر ہے (خدا تعالیٰ کا اہل تانوں تو یہ ہے) جس شخص نے کچھ بھی برائی کی وہ اس کی سزا بھگتے گا اور اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی بھی اس کا دست اور مددگار نہیں ہوگا لیکن جس کسی نے نیکیاں کیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو بے شک یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(النساء، ۱۲۳، ۱۲۴)

(۷) اس آیت کے مضمون سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ استغفار اور توبہ ترکِ افضل پر کی جاتی ہے۔ جو شخص فضیلت کا درجہ حاصل کرتا ہے وہ اپنی پہلی حالت سے یقیناً تائب ہوتا ہے لیکن مذمت اور وعید صرف گناہوں کے سرزد ہونے پر کی جاتی ہے۔



مقبولیت توبہ اور اعتراف گناہ

مومن موحّد کی مغفرت | سائل نے اپنے استفسار میں یہ بھی دریافت کیا ہے کہ کیا توبہ کی مقبولیت اور گناہوں کی بخشش اور جو پاداش اور تکلیف گناہوں کی وجہ سے صادر ہو چکی ہے، اسے دور کرنے کے لیے صرف گناہ کا اعتراف کر لینا ہی کافی ہے یا کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص موحّد ہے تو مامور بہ کے طور پر توبہ کر لینا اس کے لیے ہر ایک گناہ کی مغفرت کا موجب ہے۔
 ناقابل بخشش گناہ | ساتھ ہی یہ تفصیل بھی یاد رکھ لو کہ شرک کو بغیر توبہ کے اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بخشا اور اس سے کم درجہ کے دوسرے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ سورہ نساہ میں دو جگہ یہ آیت آئی ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: ۴۸، ۴۹)

بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا اور اس سے کم تر درجہ کے ہر ایک گناہ کو اگر چاہے تو بخش دے۔
 ان آیتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ شرک سے کم تر درجہ کے گناہ بغیر توبہ کے بھی بخشے جائیں گے لیکن ان کی مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ مشروط ہے

لے سوال نمبر ۶ کا جواب یہاں سے شروع ہوتا ہے۔

البتہ توبہ کے ساتھ سب گناہ شرک اور غیر شرک بخشے جاتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ آمَنُوا
عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا
مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ
يَغْفِرُ الذُّنُوبَ بِجَمِيعَةٍ
إِنَّهُ هُوَ الْعَفُوفُ الرَّحِيمُ
وَأَيُّبُوا إِلَىٰ مَا بِيَكُمُ
وَأَسْلِمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ
يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ
لَا تُنصِرُونَ

کہ دو! اسے میرے وہ بند و جنوں نے
اپنے نفسوں پر ظلم کیا، اللہ تعالیٰ کی
رحمت سے بالوس مت ہونا۔ بیشک
اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دیتا
ہے۔ بے شک وہی بخشنے والا مہربان
ہے اور تم کو چاہیے کہ اپنے رب
کی طرف رجوع کرو (تائب ہو جاؤ)
اور اس کے مطیع ہو جاؤ پیشتر اس
کے کہ تم پر عذاب نازل ہوا کیونکہ پھر
تماری مدد نہیں کی جائے گی۔

(الزمر: ۵۲، ۵۴)

یہاں چونکہ توبہ کے ذریعہ گناہوں کا بخشا جانا مقصود ہے اس لیے تعمیم کی تاکید
فرمائی ہے تاکہ شرک اور غیر شرک سب گناہوں کو شامل ہو۔
مشرک و موحد | ایک دوسری جگہ بھی توبہ کے بعد شرک اور کفر بخشے جانے کی
تصریح فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا آتٍ
يَسْتَمِعُونَ أَيْحُضُّ لَهُمْ مَا قَدْ
سَلَفَ

ان لوگوں سے کہ وہ جنوں نے کفر
اختیار کیا، اگر وہ باز آجائیں تو جو کچھ
پہلے ہو چکا ہے وہ ان کو بخش دیا
جائے گا۔

(الانفال: ۳۸)

الغرض ایک موحد شخص جو گناہ کا اعتراف کرتا ہے اگر اس کا یہ اعتراف توبہ
کی شرط پر مشتمل ہے تو یقیناً اس کے گناہ بخشے جائیں گے جب گناہ بخشے گئے

تو عقوبت بھی ٹل جاتی ہے کیونکہ مغفرت کے معنی ہی گناہوں کی برائی سے بچانا ہے تاکہ گناہوں کی عقوبت نہ بھیلی پڑے اور سزا نہ ملے۔

معافی لفظ مغفرت | بعض علماء کا قول ہے کہ مغفرت کے معنی پردہ پوشی کے ہیں، اس لیے اس کا نام مغفرت رکھا، لیکن غفار کے معنی ہیں گناہوں پر پردہ ڈالنے والا۔ اس سے مغفرت کا پورا مفہوم ظاہر نہیں ہوتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ کا اسمِ سننے غفار ہے۔ کیونکہ وہ سنا رہے کہ پردہ پوشی کرتا ہے اور یہ مغفرت کے معنوں کی تقصیر ہے۔ کیوں کہ مغفرت کے معانی گناہ کے شر سے اس طرح بچائے جانے کے ہیں کہ ان پر عقوبت نہ ہو تو جس کے گناہ بخشے گئے اسے عذاب نہ ہوگا، لیکن ستر یعنی پردہ ڈالنے کی حالت میں یہ ممکن ہے کہ پردہ باطن میں اس پر عقاب یا عتاب نازل ہو جس کے بالفاظ دیگر یہ معنی ہیں کہ گناہ کا اثر زائل نہیں ہوا۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ باوجود مغفرت کے کسی کو آزمائش میں ڈالا جائے تاکہ اس کے لیے اجراءِ ثواب کی زیادتی کا موجب ہو۔ یہ مغفرت کے معافی نہیں۔

اسی طرح بعض گناہوں کے پورے طور پر بخشے جانے کے لیے خاص نیکوں کا بجالانا ضروری ہوتا ہے۔ یہ توبہ کے مفہوم میں داخل ہے اور اسی طرح ہم نے مغفرت کے لیے اعتراف کے ساتھ توبہ کی شرط لگا دی ہے۔

تائب اور تارک میں فرق | ایک اور نکتہ بھی قابل ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض اوقات انسان اپنے آپ کو تائب خیال کرتا ہے حقیقت میں وہ تائب نہیں بلکہ وہ تارک ہوتا ہے لیکن تارک گناہ اور تائب از گناہ میں بہت بڑا فرق ہے، بعض اوقات اس لیے آدمی گناہ کے ارتکاب سے بچا رہتا ہے کہ گناہ کا تصور اس کے دل میں نہیں آیا ہوتا، یا اس کے ارتکاب میں وسائل کا ہونا سنگ راہ ہو جاتا ہے یا اس کے چھوڑنے کا باعث اللہ تعالیٰ کی خوشنودی نہیں بلکہ کوئی اور غرض ہوتی ہے اس لیے

اس طرح گناہ کے ارتکاب سے بچا رہتا ہے اور اس گناہ کا نہ کرنا تو بہ نہیں کہلاتا بلکہ تو بہ کے تو یہ معنی ہیں کہ وہ گناہ کو برائی سمجھے اور کسی فعل کی برائی کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس لیے ارتکاب کو ناپسند خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس کو چھوڑ دینے کا باعث صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا خیال ہو کسی مخلوق کی بیم و امید اور کسی نضانی عرض کا اس میں دخل نہ ہو، کیونکہ تو بہ ایک عظیم الشان نیکی ہے اور ہر ایک نیکی میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی اور اخلاص سب سے پہلی شرط ہے۔ جیسے کہ فضیل بن عیاض نے آیت "لِيَتَّبِعُوا كُنُوزًا يَكْتُمُونَ أَحْسَنَ عَمَلًا" (الملک: ۳۰) کی تفسیر میں یہ فرمایا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ تم کو آزمانا چاہتا ہے اور دیکھنا چاہتا ہے کہ تم میں سے کون ٹھیک اور خالص عمل بجالاتا ہے؟"

حاضرین نے دریافت کیا ٹھیک اور خالص عمل کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ:

ان العمل اذا كان خالصا	جب کوئی عمل خالص ہو لیکن ٹھیک
والعمل يمكن صوابا لم يقبل	نہ ہو تو وہ مقبول نہیں ہوتا، اسی طرح
اذا كان صوابا ولم يمكن خالصا لم يقبل	اگر ٹھیک ہو لیکن خالص نہ ہو تو بھی
حتى يكون خالصا وصوابا	مقبول نہیں ہوتا۔ جو عمل خالص بھی
والخالص ان يكون لله	ہو اور ٹھیک بھی ہو، وہی مقبول ہوتا
والصواب ان يكون على السنة	ہے اور خالص عمل وہ ہے جو صرف
	اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے
	اور ٹھیک وہ ہے جو سنت کے طریقہ
	پر کیا جائے۔

اس لیے میں نے ٹھیک اور خالص کی شرط لگائی ہے۔

حضرت عمر اپنی دعائیں کہا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ اجْعَلْ عَمَلِي كَلَّةً	یا اللہ! میرے تمام اعمال نیک اور
صَالِحًا وَاَجْعَلْهُ لِي جِهَةً	اپنے لیے خالص بنادے اور اسے
خَالِصًا وَلَا تَجْعَلْ لِي أَحَدًا	اعمال میں کسی قسم کی برائی اور بد عملی
بَيْنِي وَسَيِّئًا	کا دخل نہ ہونے دے۔

نوٹ: تو بہ کے مفصل بحث کسی دوسرے جگہ درج ہے۔

مغفرت کا یقینی ذریعہ | لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اپنے آپ کو عاجز جانتا ہے اور اس لیے وہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے اور مغفرت طلب کرتا ہے مگر اس گناہ کو چھوڑتا نہیں تو ایسے شخص کے لیے مغفرت یقینی نہیں کیونکہ اس کی حیثیت تائب کی نہیں بلکہ ایک ایسے سائل اور دعا کرنے والے کی ہے جو گناہ سے بخشش تو مانگتا ہے مگر اس سے توبہ نہیں کرتا۔ اس کی بابت صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث موجود ہے:

ما من داع يدعو بدعوة	جو شخص کوئی ایسی دعا کرے اور کسی ایسی
ليس فيها اثم ولا طيبة	چیز کا سوال کرے جس کا حصول گناہ
مرجع الا كان بين احدك	اور قطع رحم نہیں تو اس کے ساتھ
ثلث امان يجعل له	اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سلوک ہوتا
دعوة و امان يدخر	ہے کہ یا تو بعینہ اس کا سوال منظور
له من الجزاء مثلها و اما	کر لیا جاتا ہے یا آخرت میں اس کو
ان يمس من عنده من	جزا دی جاتی ہے یا وہ اس دعا کی
الش مثلها قالوا يا	بدولت کسی شر اور مصیبت سے
رسول الله اذا انكش	محفوظ رہتا ہے۔ صحابہ نے کہا،

قال الله اكثرا | الشكر کے رسول ہم زیادہ دعائیں کیا
 کریں، آیت نے فرمایا اللہ کے پاس
 بہت زیادہ ہے۔

الغرض اسی طرح بغیر سچی توبہ کے مغفرت طلب کرنا ایک دعا ہے جو عام دعاؤں
 کی طرح جو جب حدیث مذکورہ بالا کے تیر و برکت کا وہ جب ضرور ہے لیکن ضروری
 نہیں کہ اس کو مغفرت دی جائے۔ مغفرت تبھی حاصل ہو سکتی ہے جب سچی
 توبہ ہو۔

پس اس سے تم نے سمجھ لیا ہو گا کہ بعض علماء کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ گناہ پر
 مداومت کرنے کے باوجود مغفرت طلب کرنا جھوٹوں کی توبہ ہے۔ البتہ اگر کوئی
 شخص اس کو توبہ سمجھتا ہے تو بے شک وہ بھوٹا ہے کیونکہ کوئی شخص تائب نہیں
 کہلا سکتا جب تک وہ گناہ کو ترک نہ کر دے۔ توبہ اور گناہ پر اصرار دونوں
 ضدیں ہیں۔



گناہوں کا احتضار اور مقبولیتِ توبہ

ترک اور ارتکابِ گناہ | سائل نے اپنے سوال میں یہ بھی دریافت کیا ہے کہ کیا کسی ایک گناہ کا اعتراف کر لینا اور اس سے تائب ہو جانا اس تمام عقوبت سے محفوظ رہنے کا موجب ہو سکتا ہے جس کا وہ متعدد گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے مستوجب ہے یا تمام گناہوں کا استحضار ضروری ہے؟ اس کا جواب چند اصولوں پر مبنی ہے۔

پہلا اصول | یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایک گناہ سے سچی توبہ کر لے اور دوسرے کے ارتکاب میں مشغول رہے۔ تب بھی یہ توبہ مقبول ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ابھی صرف ایک ہی گناہ کا تقاضا توبہ کے لیے زیادہ قوی تھا یا گناہ کا ایک ہی مانع زیادہ شدید تھا، اہل سنت کے سلف اور خلف کا یہی قول مشہور ہے۔ لیکن ابو ہاشم معتزلی اور متکلمین کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ:

”اس قسم کی توبہ صحیح نہیں، کیونکہ تائب نے دوسرے ذنوب ترک نہیں کیے اور اس کی توبہ کا محرک اور باعث اگر خدائے تعالیٰ کا ڈر اور خشیت ہوتی جس کے بغیر توبہ درست نہیں ہو سکتی، تو وہ دوسرے ذنوب میں مشغول نہیں رہ سکتا، اس لیے کہ خدائے تعالیٰ کا ڈر سب گناہوں سے یکساں طور پر روکتا ہے“

قاضی ابوالعلیٰ اور ابن عقیل نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہی قول نقل کیا

ہے لیکن امام احمد کا مشہور قول پہلے قول کے مطابق ہے اور سلف میں سے کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔

ابو ہاشم کی دلیل کا جواب | ابو ہاشم وغیرہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات کسی ایک گناہ کی شدید تباہت انسان کے دل نشین ہو جاتی ہے اور دوسرے گناہوں کی تباہت کا تصور اس کے دل میں اتنا شدید نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ اس ایک گناہ سے ناسب ہوتا ہے اور دوسرے گناہوں کے ارتکاب سے باز نہیں رہتا۔ اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ کوئی شخص بعض فرائض تو بجالائے لیکن بعض دوسرے فرائض کا تارک ہو اور اس میں شک نہیں کہ دوسرے فرائض کا ترک کرنا اس کے لیے پہلے فرائض کی مقبولیت سے مانع نہیں، جن کو وہ بجالاتا ہے، نیز ممکن ہے کہ ایک ہی فریضہ دیگر فرائض کی بجائے درمی کا موجب بن جائے۔

معتزلہ اور اہل کبار | مگر معتزلہ نے اپنے نزدیک ایک فاسد اصول مقرر کر رکھا ہے جس کو انہوں نے خارجیوں سے اخذ کیا ہے کہ وہ کافر اور گنہگار میں فرق نہیں کھتے اور کہتے ہیں،

ان اصحاب الکبائر یخلدون

فی النار ولا یخرجون

منها بشفاعۃ ولا عنین

ان کے نزدیک یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ عذاب دے اور پھر اس کو جنت میں داخل کرے اور اپنی رحمت اور عنایات کا مورد بنائے کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ:

یقولون بحسوط جمیع

الחסنات بالکبیرۃ

کبیرہ کے ارتکاب سے تمام نیکیاں
بر باد ہو جاتی ہیں۔

سلف کا اعتقاد | لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اہل سنت والجماعت کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اہل کبار جنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ ان کے حق میں شفاعت قبول ہو سکتی ہے اور کبیرہ کا ارتکاب تمام نیکیوں کو برباد نہیں کرتا۔ تمام نیکیاں صرف کفر سے برباد ہوتی ہیں جیسے کہ تمام برائیاں توبہ سے زائل ہو سکتی ہیں اور کبیرہ کا مرتکب اگر صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے نیکیاں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ان اعمال صالحہ کی جزا دے گا اگرچہ وہ ارتکاب کبیرہ کی وجہ سے عذاب کا بھی مستوجب ہے۔ قرآن کریم میں زانی، سارق اور قاتل کو بطحاظ احکام شرعیہ کا فر سے الگ صنف قرار دیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات متواتر طور پر منقول ہے اور جس پر صحابہ کرام نے اجماع کیا، وہ اسی قول کی تائید میں ہے۔ جیسا کہ کسی دوسری جگہ بالتفصیل بیان ہے۔

قبولیتِ اعمال اور آقا۔ انہی اقوال کی بنا پر اس آیت شریفہ کی تفسیر میں مختلف اقوال مروی ہیں کہ:

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ
الْمُتَّقِينَ ﴿۲۴۱﴾ | بیشک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے
اعمال ہی قبول فرماتا ہے۔

خوارج اور معتزلہ کا یہ قول ہے کہ:

”کوئی نیکی بارگاہ کبریٰ تعالیٰ و تقدس میں قبولیت کا درجہ حاصل نہیں کرتی جب تک اس کا کرنے والا کامل متقی نہیں۔ یعنی کسی کبیرہ کا مرتکب

نہ ہو“

مرجیہ کہتے ہیں،

”متقی وہ ہے جو شرک سے اجتناب کرے۔ ان کے نزدیک

اہل کبار بھی متقی کے مفہوم سے باہر نہیں“

لیکن اہل سنت والجماعت کی تحقیق یہ ہے کہ:

”ایک ایسا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے جس کے کرنے میں تقویٰ کے مفہوم پر عمل کیا گیا ہو یعنی اس کا وہ عمل اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی تعمیل کے موافق ہے اور اس کے کرنے کی غرض محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے سوا کچھ نہ ہو۔“

الغرض جو کوئی کسی عمل صالح کے سجالانے کے دوران میں اس عمل کے متعلق متقی ہے وہ عمل اس کا مقبول ہے چاہے کسی دوسرے عمل کے لحاظ سے وہ غیر متقی ہو لیکن اگر اس نے کسی نیچی کے کرنے میں تقویٰ کے مفہوم پر عمل نہیں کیا تو وہ عمل اس کا مقبول نہیں، چاہے وہ دوسرے امور میں اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار ہو۔“

خلاصہ یہ ہے کہ کسی ایک گناہ کی توبہ بھی مقبول ہے خواہ دوسرے گناہ کا مرتکب بنا رہے۔ مقبولیت کے لیے ایمان ناگزیر ہے | البتہ ایمان کا وجود سب اعمال کی مقبولیت

کے لیے ناگزیر شرط ہے۔ کلام مجید میں ہے:

وَمَنْ آمَرَ إِذَا الْآخِرَةُ كَانَتْ	جو شخص آخرت کا طالب ہے اور
سَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ	اس کے لیے اس کے مناسب حال
مُؤْمِنٌ فَإِنَّ لِيكَ كَانَتْ	کوشش بھی کرتا ہے تو ایسے لوگوں
سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝۱۹	کی کوشش ضرور ٹھکانے لگے گی،
(نبی اسرائیل: ۱۹)	بشرطیکہ وہ مومن ہوں۔

اسی طرح یہ آیت پہلے گزر چکی ہے کہ،

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ	جس مومن مرد یا عورت نے نیک
مِنْ ذَكَرٍ أَنْ أَنْتَنِي وَهُوَ ...	اعمال کیے، پس ایسے لوگ جنت

مُسْرِينَ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ | میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ بھر
 الْجَنَّةَ وَلَا يَظْلَمُونَ نَفْسًا | بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔
 الغرض قرآن کریم کی آیات کے تتبع سے تم کو معلوم ہو گا کہ جا بجا اعمال صالحہ
 کی مقبولیت اور ان پر جزا ملنے کے لیے ایمان کی شرط لگائی گئی ہے اور کفر کو تمام نیکیوں
 کا برباد کرنے والا قرار دیا ہے۔ کلام مجید میں ہے:

وَمَنْ يَنْتَدِبْ مِنْكُمْ عَنْ | جو کوئی تم سے اپنے دین سے پھر جائے
 دِينِهِ فَيَمُتْ وَمَوْكَاظِمُ | اور پھر وہ کافر ہو کر مرے تو اس کے
 فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ | تمام اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت
 فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ | گئے اور یہ لوگ دوزخ میں داخل
 أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ | ہو کر اس میں ہمیشہ رہیں گے۔
 هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ○ (البقرہ: ۲۱۷)

بخشش بوجہ قبول اسلام | دوسرا اصول یہ ہے کہ جو شخص متعدد گناہوں سے کا
 مرتکب ہے تو اگر وہ بعض گناہوں سے تائب ہو جائے اور دوسرے گناہوں پر مقرر
 رہے تو صرف اس کا وہی گناہ بخشا جائے گا جس سے اس نے توبہ کی اس کے
 دوسرے گناہوں کا وہی حکم ہے جو غیر تائب کا ہوتا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے،
 اس میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ البتہ ایک شخص جو پہلے کافر تھا اور اب مسلمان ہو
 گیا ہے اس کی بابت اختلاف ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کفر کی حالت میں اس نے
 جتنے گناہ کیے تھے وہ سب بخشے گئے۔ کلام پاک میں ہے:

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ | کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ باز
 يَسْتَمُوا يُخْفَرُوا لِمَا | آجائیں تو ان کے گزشتہ گناہ بخشے
 قَدْ سَلَفَ (الانفال: ۳۸) | جائیں گے۔

صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ :

أَوْ سَلَامٌ يَسْتَهْدِمُ مَا كَانَ | اسلام قبول کرنے سے کفر کی سابقہ
قَبْلَهُ | عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔

ترکِ ارتکاب پر جزا | لیکن بعض دوسرے علماء کا یہ قول ہے کہ اسلام کی بدولت منہدم
وہی گناہ بخشنے جاتے ہیں جن کا ارتکاب اس نے ترک کر دیا ہے۔ برخلاف اس کے
جن کو کبائر کا وہ بعد از اسلام بھی ارتکاب کر رہا ہے ان کی بابت اس کا وہی حکم ہے جو
دوسرے مرتکبین کبائر کا ہے۔ اصول شریعیہ اور قرآن و حدیث کے نصوص یعنی تصریحات
اسی قول کی تائید میں ہیں اور آیت قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْكُمْ مَا كَانُوا يَكْفُرُونَ
ہے اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ :

تجن گناہوں کے ارتکاب سے وہ باز آجائیں تو اس سے پہلے
ان گناہوں کا جتنا بھی انہوں نے ارتکاب کیا ہے وہ معاف کیا جائیگا
محاورہ بھی یہی ہے کہ کسی سے کہا جائے کہ تم باز آ جاؤ تو تمہارا گزشتہ قصور معاف کر دیا
جائے گا تو اس کے بلا تشک و شبہ یہی معنی ہوتے ہیں کہ اگر تم اس امر کو جس کا تم
ارتکاب کرتے ہو، ترک کر دو تو گزشتہ ارتکاب کی بابت تم پر مواخذہ نہیں کیا جائے
گا۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہوتے کہ تمہارے دوسرے گناہ اور دوسری تقصیریں
بھی معاف کر دی جائیں گی۔

اعمالِ جاہلیت کا مواخذہ | صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے
کہ حکیم بن حزام نے آپ سے استفسار کیا کہ جو اعمال ہم نے جاہلیت میں کیے تھے
کیا ان کی بابت بھی ہم پر مواخذہ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب
میں فرمایا :

من احسن منکم فـ | جس نے اسلام میں اپنی حالت کو

<p>اچھا بنالیا اس پر اعمال جاہلیت کی بابت کچھ مواخذہ نہیں ہوگا لیکن جس نے اسلام کی حالت میں بھی برائیاں کیں۔ اس پر اگلے پھلے گناہوں کا مواخذہ ہوگا۔</p>	<p>الاسلام لمری اخذ بما عمل فی الجاهلیة و من اساع فی الاسلام اخذ فی الاول والاخر</p>
---	--

اس حدیث نے نہایت ضاف الفاظ میں مؤخر الذکر قول کے حق میں فیصلہ فرمادیا ہے۔ اسلام یہدم ماکان قبلہ میں چونکہ ایک گونہ اجمال ہے، اس لیے اس حدیث کو اس کے لیے بمنزل تفسیر اور بیان کے سمجھنا چاہیے۔

توبہ مطلق اور توبہ عام و خاص

عقبران الذنوب کلمہ تیسرا اصول یہ ہے کہ بعض اوقات انسان خاص خاص گناہوں کا استحضار کرتا ہے یعنی اپنے دل میں ان کا تصور باندھتا اور ان سے تائب ہوتا ہے اور بعض اوقات مطلق توبہ کرتا ہے مگر ذنوب کا استحضار کچھ بھی نہیں کرتا بلکہ اس کی نیت عام گناہوں سے توبہ کرنے کی ہوتی ہے۔ کیونکہ عام گناہوں سے تائب ہونے اور عام توبہ کے یہ معنی ہیں کہ اس نے اس بات کا پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ وہ ہر ایک ماسور کو عمل میں لائے اور ہر ایک ممنوع اور منہی عنہ کو چھوڑ دے اور اس کے ضمن میں تمام گناہوں کے متعلق ایک عام ندامت پائی جاتی ہے، جیسا کہ مسند ندامت کی مختلف اقسام بیان کے اختلافات، اولت اور آلام کے ایزار لئات و خطوط ماند غم و حزن اور فرح و سرور و نفس انسانی کو لاحق ہوتے ہیں، اس کا احساس کرایا جاتا ہے جو ترک کر دیا ہے۔

میں ابن مسعود کی ایک روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الندم توبة | ندامت بھی ایک قسم کی توبہ ہے۔

جب ظاہر ہو جائے کہ تائب جو عام توبہ کرتا ہے تو ایسی توبہ سے تمام گناہ بخشنے جاتے ہیں، اگرچہ ہر ایک گناہ کا جدا گانہ تصور ذہن میں نہ ہو لیکن اگر اس عام توبہ کے خلاف واقع ہوگی تو توبہ خاص کہلائے گی۔

کونسا گناہ عام توبہ سے نہیں بخشا جاتا | البتہ اگر کوئی ایسا گناہ ہے کہ اگر وہ اس کے ذہن

میں مستحضر بھی ہو جاتا تو وہ اس سے تائب نہ ہوتا کیونکہ اس گناہ کے چھوڑنے کی بابت ابھی اس کے دل میں عزیمتِ راستہ پیدا نہیں ہوئی جو اس کو آمادہ عمل کرے یا وہ ایک ایسا گناہ ہے جن کو بزرگ خود قیح سمجھتا ہی نہیں تو اس قسم کا گناہ عام توبہ کے ضمن میں نہیں آتا اور جب تک خصوصیت کے ساتھ اس گناہ سے توبہ نہ کرے، اس کے بخشنے جانے کی یقینی توقع نہیں کی جاسکتی کیونکہ یقینی مغفرت کا ذریعہ صرف توبہ مقبولہ ہے اور بس۔

عام توبہ اور مجمل توبہ | لیکن اگر کوئی شخص ہر ایک گناہ سے توبہ کرنے کا التزام نہیں کرتا مگر کسی گناہ کی تخصیص بھی نہیں کرتا تو اس قسم کی توبہ "توبہ مجمل" کہلاتی ہے اور اس کے مفہوم میں سب گناہ داخل نہیں سمجھے جاتے اور اس لیے وہ عام مغفرت کا موجب بھی نہیں قرار دی جاسکتی، توبہ عامہ اور توبہ مجمل کا فرق ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ کیوں کہ ہر ایک کا حکم جدا گانہ ہے۔

صفتِ حقائقِ ایمانیہ | اکثر لوگ توبہ کرتے وقت (خواہ ان کی توبہ عام بھی ہو) فقط بعض فحش گناہوں کا استحصال کرتے ہیں یا پامنا اور زباں سے صادر شدہ گناہ ان کے پیش نظر ہوتے ہیں حالانکہ وہ ظاہر یا باطن میں ایسے مامورِ شرعی کا تارک ہوتا ہے جس کا بجالانا اس پر فرض ہے اور وہ حقائقِ ایمانیہ کا ایک ایسا اہم شعبہ ہوتا ہے

جس کا ترک کرنا ان فواحش کے ارتکاب سے بہت زیادہ مضمر ہوتا ہے، جن کا تصور اس کے ذہن میں ہے، اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ جن مخالف ایمانیہ کے ساتھ موصوفت ہونے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جن کی بددلت انسان سچے مومنوں کے زمرہ میں داخل ہوتا ہے وہ بعض ظاہری گناہوں کے ترک کر دینے سے بہت زیادہ نافع ہوتا ہے۔

اللہ اور رسول کی محبت | مثلاً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت سے دل کو معمور رکھنا اعمالِ حسنہ کی عظیم ترین نیکی ہے۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک صحابی تھا جو حمار کے لقب سے مشہور تھا۔ وہ اکثر شراب پیا کرتا تھا چنانچہ کئی مرتبہ اس کو شراب پیتے پچڑا بھی گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شراب نوشی کی سزا دی۔ ایک شخص نے اس کی یہ حالت دیکھ کر کہا کہ:

”اس پر خدا کی لعنت ہو، کتنی دفعہ مزایا ہوا، پھر بھی اپنی کزوت سے باز نہیں آتا“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

لا تلعنہ فانہ یحب | اس پر لعنت نہ کرو، وہ اللہ اور
اللہ و اس سولہ | اس کے رسول سے محبت کرتا ہے

تم جانتے ہو کہ شراب کے پینے والے اور پچڑنے والے پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے لیکن ایک ایسے شخص پر جو پکڑے نوشی ہے، صرف اس کے لیے لعنت بھیجنے سے منع فرمایا کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت موجود ہے۔

اسی طرح جو آیتیں اور حدیثیں مطلق تکفیر اور مطلق وعید کے مضمون پر مشتمل ہیں وہ بعض شرائط کے ہونے اور بعض سوانح کے نہ ہونے کے ساتھ مشروط

ہیں۔ مثلاً جو شخص کسی گناہ سے تائب ہو جائے اس کے لیے وعید نہیں۔ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے، یا مثلاً جس شخص کی نیکیاں اس قدر زیادہ ہوں کہ اس کے گناہوں کو مٹا دینے کے لیے کافی ہوں۔ وغیرہ وغیرہ۔

مخفوت ٹل جانے کے اسباب جن گناہوں کے ارتکاب پر دوزخ کی سزا مقرر ہے۔ اس مخفوت کے ٹل جانے کے متعدد اسباب ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں سچی توبہ۔ کثرتِ اعمالِ صالحہ۔ اس دنیا کے مصائب اور شدائد میں مبتلا ہونا۔ برزخ اور میدانِ قیامت کی سختیاں نیز مومنوں کی دعا۔ اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت یہ سب ایسے اسباب ہیں جو اعمالِ سیئہ کی کفارت کا باعث اور خدا کی مغفرت کا موجب ہوتے ہیں۔

ہر کیف اگر توبہ کسی خاص گناہ سے کی گئی ہے یا توبہ محمل ہے تو اس سے عام مغفرت کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، برخلاف اس کے توبہ عام سے سب گناہ بخشے جاتے ہیں لیکن اکثر لوگ توبہ عام نہیں کرتے، حالانکہ ہر ایک شخص کو اس کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہر ایک شخص کم و بیش ماموراتِ شریعہ کے بجالانے میں کوتاہی کرتا ہے اور بعض منہیات کا ظاہر یا باطن میں مرتکب ہوتا ہے، اس لیے ہر ایک شخص پر ہر ایک حالت میں توبہ کرنا لازم ہے۔ کلامِ پاک میں ہے،

<p>اے مومنو! تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتے ہوئے پھر آؤ۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم فلاح پاؤ گے۔</p>	<p>وَاتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ</p>
--	--

(النور: ۳۱)

اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کا طریقہ

مفہوم توحید ربوبیت | سائل کا آخری استفسار یہ ہے کہ اس میں کیا راز ہے کہ مصیبت تب دور ہوتی ہے جبکہ آدمی تمام لوگوں سے اپنی امید کا رشتہ منقطع کر لے اور مخلوقات سے اپنی امید قطع کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ جوڑنے کی تدبیر کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی تدبیر توحید ربوبیت اور توحید الوہیت دونوں قسم کی توحید پر ثابت قدم رہنا ہے۔ توحید ربوبیت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ کو تمام اشیاء کا خالق و مخترع کرے اور یہ کہ اس کے بغیر کوئی بھی قدرت نہیں رکھتا کہ کوئی بات با استقلال اس سے ظہور میں آئے، بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہو سکتا، اس لیے سوائے اللہ تعالیٰ کے جو کوئی بھی ہو اگر بالفرض کسی بات کے ظہور میں آنے کا اس کو سبب مانا جائے، تب بھی وہ اس کے انجام دینے میں کسی معاون کا بالفرض محتاج ہوگا اور لامحالہ اس کا کوئی ایسا ضد اور شریک بھی ہوگا جو اس کو اپنے ارادے کی تنفیذ سے روک سکے، اس لیے اپنی مراد میں اور اپنی حاجت میں صرف اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہیے۔

افعال اختیار یہ میں عجز انسانی | سوائے اللہ تعالیٰ کے دوسروں کی بے بسی کی تو یہ کیفیت ہے کہ جو افعال اختیار یہ کہلاتے ہیں ان کے کرنے میں بھی انسان مستقل نہیں بلکہ سراسر اللہ تعالیٰ کی اعانت کا محتاج ہے۔ جب تک وہ اس کے دل میں عزم راسخ

پیدا کرے، جو انسان کو آزاد عمل کرتا ہے اور بعد ازاں اس کے اعضاء اور جوارح میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ قدرت موجود نہ ہو جو حدیث فعل کے لیے شرط ہے۔ اس وقت تک کسی فعل کا ظہور میں آنا ناممکن ہے اس لیے یہ کننا کہ:

مَا شَاءَ اللَّهُ كَانَ وَ مَا لَمْ
يَشَأْ لَمْ يَكُنْ | اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے سو ہوتا ہے
اور جو نہ چاہتا ہے وہ کبھی نہیں ہو سکتا
اپنے وسیع ترین معنوں میں بالکل درست ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،
لَمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ آتَ
يَسْتَقِيمَ وَ مَا تَشَاءُونَ | جو راست روی چاہتا ہے تم نہیں
چاہو گے مگر جب اللہ چاہے جو تمام
جہانوں کا پروردگار ہے۔ (التکویر: ۲۸، ۲۹)

اور دوسری جگہ فرمایا:

فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ
سَبِيلًا وَ مَا تَشَاءُونَ
إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ
كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا | جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ
اختیار کرے تم کچھ نہیں چاہو گے مگر
جب اللہ تعالیٰ چاہے۔ بے شک
اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔
مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ طَوَّ
الظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا
أَلِيمًا (الدم: ۲۹، ۳۱)

سب سے بڑی ذلت جو شخص اپنے جیسی مخلوق سے کسی مراد کا طالب ہے وہ ایک عاجز کے سامنے دستِ نیاز پھیلا کر اپنے آپ کو مغت میں ذلیل کرتا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أَمْثَلُكُمْ (الاعراف: ۱۹۴)

بے شک جن کو تم اپنا حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح خدا کے محتاج بند سے ہیں۔

یہ ایک ایسا شرک ہے جس کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرماتا۔ فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: ۴۸، ۱۱۶)

بے شک جس کسی نے شرک کیا، اللہ تعالیٰ اسے ہرگز نہیں بخشنے گا۔ ماں اس کے سوائے جسے چاہے گا بخش دے گا۔

عرفان الوہیت | دوسری تدبیر توحید الوہیت کی حقیقت پر کار بند ہونا ہے جس کا مفہوم پہلے بھی بیان ہو چکا ہے یعنی صرف اللہ تعالیٰ سے کامل محبت رکھنا، اسی کا مکمل ماننا، اسی کی ذات پر بھروسہ کرنا، اپنی بیم و امید کامرکز اسی کو قرار دینا، اسی سے اپنی حاجتوں کے لیے سوال کرنا اور اسی کے آگے سر جھکانا وغیرہ وغیرہ۔

اب اگر کوئی شخص دونوں قسم کی توحید پر ثابت قدم رہے تو وہ ہے سعادت ایہ شخص دنیا اور آخرت میں نہایت خوش قسمت انسان ہے۔ لیکن اگر وہ اس قسم کا آدمی ہے، جس کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ:

وَإِذَا سَأَلَكَ الْإِنْسَانُ الْمُنْتَهَى دَعَاكَ لِجَنبِهِ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ غُضُّوهُ كَأَنَّكَ لَمْرُودٌ يُدْعَى إِلَىٰ مَنِيٍّ مَسْنَىٰ (یونس: ۱۲)

جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لیٹے ہوئے اور بیٹھے اور کھڑے ہمیں پکارتا ہے لیکن جب ہم اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح گزرا پہلا جاتا ہے گویا اس نے کبھی کسی تکلیف کو دور کرنے کے لیے

ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔

یاد وہ ان اشخاص میں سے ہو جس کا بیان اس آیت میں ہے:

بِإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِذَا الْبَحْرُ مَسَّكَ مِنْ تَدْعُونَ إِلَّا آيَاتٍ فَلَمَّا نَجَّكُمُ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا	جب تہیں سندر میں تکلیف پیش آتی ہے تو جن کو تم پکارا کرتے ہو، وہ سب بھول جاتے ہیں اور صرف خدا کی طرف رجوع کرتے ہو لیکن جب وہ تم کو نجات دے کر خشکی پر لا تہے تو تم روگردانی کرتے ہو۔
--	--

اور انسان ہے ہی روگردانی کرنے والا۔ (نبی اسرائیل، ۶۷)

ایسے آدمیوں کے لیے ان کا اعتراض توحید ایک حجت ہے جو تیاست کے دن ان کے برخلاف فیصلہ دلانے کا موجب ثابت ہوگی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ان مشرکین کو جو صرف توحید ربوبیت کے قائل تھے اور توحید الوہیت کے مقتضا پر عمل پیرا نہیں تھے، ان کے اپنے اقرار اور تسلیم کی وجہ سے انہیں جھوٹا ٹھہرایا جائے گا۔ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَ مَنْ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا	دلے نبی! ان منکروں سے پوچھیے اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ کہ زمین اور تمام مخلوقات جو اس میں ہے کس کے لیے ہے؟ وہ فوراً کہیں گے، اللہ کے لیے۔ پھر آپ فرمائیں، کیا تم عجز نہیں کرتے؟ آپ ان سے پوچھیں وہ کون ہے جو سارے آسمانوں کا
--	---

پر وردگار ہے اور جہانذاری کے عرشِ عظیم
 کا مالک ہے؛ وہ کہیں گے یہ سب
 کچھ اللہ ہی کے لیے ہے۔ پھر آپ
 فرمائیں تمہیں کیا ہو گیا کہ شرک کے
 نیچے سے نہیں ڈرتے، آپ ان سے
 پھر پوچھیں وہ کون ہے جس کے تبصہ
 میں تمام چیزوں کی بادشاہی ہے اور
 وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور کوئی نہیں
 جو اس کے اوپر پناہ دینے والا ہو، وہ
 کہیں گے یہ صفتیں تو اللہ ہی کے لیے
 ہیں، آپ فرمائیں، پھر تم پر کون سا
 جادو کیا گیا ہے کہ راہِ حق سے منحرف
 ہوتے جاتے ہو؟

(المومنون: ۸۹ تا ۹۴)

اور فرمایا:

وَ لَيْسَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ
 خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
 وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
 لَيَقُوْنَ لَوْلَا اِنَّهُ فَاَفِ
 تَوْفٰكُوْنَ

اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور
 زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج
 اور چاند کو کس نے مطیع بنایا تو وہ
 ضرور اس کے جواب میں کہیں گے
 کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا۔ کہہ دو کہ پھر
 تم کیوں پھر سے جاتے ہو لہ

(العنکبوت: ۶۱)

لہ یعنی توجید ربوبیت کا اعتراف کرتے ہوئے کیوں توجید الوہیت پر عمل پیرا نہیں ہوتے حالانکہ یہ دونوں
 لازم ملزوم ہیں

الغرض قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ مضمون دوہرایا گیا ہے۔

نزول مصائب، نعمتِ عظمیٰ | حقیقت میں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں پر مصائب اور شدائد نازل فرماتا ہے، جن کی بدولت وہ توحید پر آمال ہونے اور خاص اللہ تعالیٰ کو پکارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس حالت میں ان کی بیم و امید کا مرجع اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہوتی ہے۔ ان کے دلوں میں توکل اور انابت پیدا ہوتی اور شرک سے بیزار ہو کر ان کے قلوب نور ایمان کے ساتھ معمور ہوتے ہیں اور یہ ایک نعمتِ عظمیٰ ہے جو مرض اور خوف کے زوال اور فراخیِ رزق کے حصول سے بدرجہا بڑھ کر ہے کیونکہ مرض اور مصیبت کا زوال اور فراخیِ رزق وغیرہ جسمانی راحتیں اور دنیاوی خوشیاں ہیں جو کافروں کو چند روزہ حاصل ہوتی ہیں لیکن ان سے بدرجہا بہتر وہ توحیدِ خالص ہے جو ایک ابدی سعادت ہے اور لذت و حلاوت جو مخلص موحدین کو اس سے حاصل ہوتی ہے، اس کا لفظوں میں اظہار کرنا دشوار ہے۔ ہر ایک مومن موحد کو بقدر اس کے ایمان اور درجہ توحید کے اس سے حصہ ملتا ہے، اسی بنا پر سلف صالحین میں سے کسی ایک نے کہا ہے کہ:

<p>یا ابنِ آدمَ لقد بُنِیَ لکَ حَاجَةٌ أَكثَرُتَ فِیْهَا مِنْ قَنْ بَعِ بِأَبِ سَیِّدِکَ</p>	<p>میں نے بنی آدم تمہارا محتاج ہونا مبارک ہو۔ اس تقریب سے تم کو اپنے مولائے کریم کا دروازہ کھلنے کی سعادت حاصل ہوگی۔</p>
--	--

ہجومِ مشکلات اور حلاوتِ مناجات | ایک شیخِ طریقت کا قول ہے کہ:

”بعض اوقات مجھے کوئی مشکل پیش آتی ہے جس کے رفع ہونے کے لیے بارگاہِ الہی تعالیٰ شانہ میں طحجہ پڑتا ہوں۔ اسے اتنا میرے مجھ کو وہ حلاوت سے مناجات سے حاصل ہوتی ہے کہ میرے نیچے چاہتا

کہ میری حاجت جلد پوری ہو۔ ڈر رہتا ہے کہ پھر میرا نفس اسے
 خلوصہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے طرفہ رجوع نہیں کرے گا، کیوں
 کہ نفس ہمیشہ اپنے حظوظ کا خواہش مند ہوتا ہے اور اگر اسے کہہ جائے
 پوری ہو جائے تو پھر کبھی کو پرواہ نہیں کرتا۔

خاتمہ کتاب

بعض کتب سابقہ میں آیا ہے کہ: | لے آدم کے بیٹے! مصیبت میں
 یا ابن آدم البلاء یجمع | تمہارا تعلق میرے ساتھ ہو جاتا ہے
 بینى و بینک و العافیة | اور عافیت میں تمہارا تعلق اپنے نفس
 تجمع بینک و بین نفسک | کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے اور ہر ایک سچا مومن اپنے باطن میں اس حلاوتِ ایان
 کا ادراک کر سکتا ہے۔ لیکن یہ ادربات ہے کہ کسی میں ایمانی ذوق اور وجدان کی کمی
 ہو۔ کیوں کہ وہ حالت جو صاحبِ ایان کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے
 قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ پاتا ہے، اس کا دل خالص اللہ تعالیٰ کی محبت سے
 معمور ہوتا ہے، اس کا بھر دہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک پر ہوتا ہے، اس

نے کاش انسان کو اس حالت پر ثابت قدم رہنا نصیب ہوتا لیکن یہاں تو یہ کیفیت ہے کہ ادھر سختی
 اور تکلیف دور ہوتی اور توحید کا فورہ ہوتی۔ فَاَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَعِیْنُکَ عَلٰی الْفِتَنِ

لا حُتُّب اور بغض کسی اور کے لیے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اور اس کی امید و بیم کا مرجع اسی کی ذات پاک ہوتی ہے۔ وہ خاص اسی کی عبادت کرتا ہے اور فقط اس سے توفیق اور اعانت کا خواہاں ہوتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے کچھ بھی ارادہ نہیں کرتا، بلکہ اس نے اپنا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی مرضی میں فنا کر دیا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جس کا صرف ذوق اور وجدان ہی سے ادراک ہو سکتا ہے ۛ

ذوقِ این مے نشاسی بخداتانہ چشتی !

ہر ایک مومن کو اس کا کم و بیش حصہ عنایت ہوا ہے اور یہ دین اسلام کی وہ حقیقت ہے، جس کی اشاعت کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو بھیجا اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں اور قرآن کریم کی تعلیم کا مرکز و محور بھی یہی ہے۔

وَ فَقَدْ عَلَّمَ اللَّهُ تَعَالَى لِدَالِكِ وَ اللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ وَ أَعْلَمُ وَ أَعْلَمُ وَ حَكْمُهُ
أَحْكَمُ



مركز الدعوة الاسلامیہ مطبوعات

- العبودیۃ ————— شیخ الاسلام امام التیسرے علیہ الرحمہ
- الفرقان ————— " " " " " "
- کتاب الکبائر ————— شیخ الاسلام امام محمد بن عبد الوہاب علیہ الرحمہ
- اصول دین ————— " " " " " "
- فضل الاسلام ————— " " " " " "
- دین کے چار بنیادی اصول ————— " " " " " "
- فضائل قرآن ————— " " " " " "
- اصول ایمان ————— " " " " " "
- الورد المصطفیٰ المختار ————— المغفور جلالة الملك جلیل القدر آل سعود
- دعوت الی اللہ اور مبلغین کے اوصاف ————— ساحتہ اشرف عبد العزیز عبداللہ بن ابی حفصہ اللہ
- حج و عمرہ قرآن و سنت کے آئینے میں ————— " " " " " "
- عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت ————— " " " " " "
- احادیث قدسیہ ————— دکتور عبداللہ ابن ابراہیم حفظہ اللہ
- حیات صحابہ کے درخشاں پہلو ————— دکتور عبدالرحمان رافت الباشا
- سگریٹ نوشی ————— ساحتہ لفتی محمد ابراہیم حفظہ اللہ
- عقیدہ طحاویۃ ————— علامہ ابو جعفر الوراق الطحاوی حفظہ اللہ

مندرجہ بالا کتب کا سلیس اردو زبان میں ترجمہ محمود غمضتفر کے قلم سے

